ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۹۶
جلد: ۳۴ ، شمارہ: ۱۲

ربیع الاول ۱۴۳۸ھ = دسمبر ۲۰۱۶ء

بدل اشتراک
- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۵
۳-افتتاحیہ	معاون مدیر	۷
۴-دعوت الی اللہ وراثتِ انبیاء	ڈاکٹر صالح بن محمد آل طالب	۹
۵-ایک ہاتھ سے مصافحہ.....	مولانا محمد ایوب سلفی	۱۸
۶-موسم سرما نفل روزوں کے.....	عبدالولی عبدالقوی	۲۴
۷-وہ نبیوں میں رحمت لقب.....	طارق اسعد	۳۲
۸-زوال بندۂ مومن کا.....	محمد غفران بن عبیدالرحمٰن	۳۶
۱۰-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۱-اخبار جامعہ	شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ	۴۶
۱۲-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

''محمد رسول اللہ'' پر ایمان کا تقاضا ہے کہ ہمارا قلبی لگاؤ آپ کے ساتھ ہو

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

کلمہ طیبہ کے دو جزء ہیں۔ پہلا کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے اور دوسرا کا تعلق اس کے رسول سے ہے۔ جس طرح پہلا جزء اللہ کی ذات، صفات اور اس کے حقوق یاد دلاتے ہیں، اسی طرح دوسرا جزء اس کے رسول کی ذات، صفات اور حقوق یاد دلاتے ہیں۔ اسلام میں داخل ہونے کے لیے کلمہ طیبہ کا اقرار اور اس پر ایمان لازمی ہے۔ اس کے مفہوم اور تقاضا کو سمجھے بغیر کوئی صحیح معنی میں مسلمان نہیں ہوسکتا۔ یہ کلمہ ورد کرنے، گانا گانے یا رٹ لگانے کے لیے نہیں ہے، کچھ لوگ اکٹھا ہوکر یا کمرہ میں اندھیرا کر کے "اللہُ" یا "لا إله إلا الله" یا صرف "إلا الله" کا ورد لگاتے ہیں، یہ اسلامی تعلیم نہیں ہے، اللہ کے رسول محمد ﷺ نے جب مکہ میں اعلان کیا: "يا أيها الناس قولوا لا إله إلا الله تفلحوا" کہ اے لوگو! کہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو کامیاب ہوجاؤ گے۔ اس کا مفہوم کیا تھا؟ اور نبی کا مطالبہ کیا تھا؟ کاش ہم اس پر غور کرتے۔

محمد رسول اللہ پر ایمان کا تقاضا ہے کہ ہماری پوری تابعداری اور دینی ونفسیاتی لگاؤ محمد ﷺ کے ساتھ ہو۔ دینی احکام کی پیروی میں نبی کی ذات کو سب پر مقدم رکھا جائے۔ جب کبھی بھی مسلکی اختلاف سامنے آئے، دین کے کسی بھی چھوٹے یا بڑے مسئلہ میں ترجیح کی بات ہو۔ اس عقیدۂ محمد رسول اللہ میں کسی طرح کا لوچ اور تذبذب نہیں ہونا چاہیے اور اور ہمارا سیدھا مطمح نظر اور تابعداری رسول کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اللہ نے بہت واضح انداز میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورہ حشر: ۷) ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لیے بلایا جائے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کردے تو وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے امیر کی اطاعت اور جماعت سے منسلک ہوکر رہنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم امیر کی اطاعت کریں اور اس کے حکم کو مانیں، مگر کبھی کسی امر میں امیر سے اختلاف ہوجائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اور جو بات وہاں سے صحیح ملے اس پر عمل کرو۔ آج مسلم قوم مسلک میں منقسم ہے اور مختلف فقہی مسائل میں الگ الگ اماموں کی پیروی کرتی ہے۔ مسئلہ میں اختلاف کی صورت میں حدیث رسول کو اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اپنے مسلک کے مطابق فٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جبکہ ''محمد رسول اللہ'' کا تقاضا یہ ہے کہ حدیث رسول کو ہم سب پر مقدم رکھیں، اپنی مرضی کو اس کے تابع کریں اور اختلاف کو اسی پر ختم کردیں۔ اللہ تعالی نے بھی یہی طریقہ اپنانے کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ

إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾ (سورہ نساء:۵۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

سورہ حجرات کی پہلی آیت بھی ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے آگے کسی طرح کی سبقت نہ کریں۔ یہ خطاب خصوصاً ان لوگوں سے ہے جو اللہ کے نزدیک مومن ہیں، فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (سورہ حجرات:۱) اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو (یاد رکھو کہ) اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یعنی مومنین کو خوف ہونا چاہیے کہ اللہ ہماری باتوں کو سن رہا ہے اور ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے، اگر ہم نے اللہ سے اور اس کے رسول سے پیش قدمی کی تو اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔

تمام ائمہ کرام نے اس بات کو ملحوظ رکھا اور اپنے ماننے والوں اور امت مسلمہ کو نصیحت کی اگر میرے فتوی وقول کے مقابلہ میں اللہ کے رسول کی کوئی حدیث معلوم ہو تو رسول اللہ ﷺ کو مقدم رکھو اور ان کے فرمان پر عمل کرو اور میرے فتوی کو چھوڑ دو۔ کیا اس نصیحت سے یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ امام کا فتوی بھی چھوڑا جا سکتا ہے اور یہ کہ ائمہ کرام تمام احادیث رسول کے عالم نہیں تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف" کے باب "التقلید فی المذاهب الأربعة" میں بڑی عمدہ بحث لکھی ہے اور ان میں ائمہ کرام کے اقوال نقل کیے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "أنه كان يقول: لا ينبغي لمن لم يعرف دليلي أن يفتي بكلامي وكان إذا أفتى يقول هذا رأي النعمان بن ثابت ..... الخ" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: اس شخص کے لیے یہ مناسب نہیں جو میری دلیل کو نہیں جانتا وہ میری بات کی بنیاد پر فتوی صادر کرے، اور آپ جب فتوی دیتے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے، مجھ سے جو بہتر ہو سکتا تھا بتلایا، اگر کوئی اس سے بہتر بتلائے "فهو أولى بالصواب" تو درستگی کے اعتبار سے اسی کی بات بہتر ہوگی۔

"وكان الامام مالك رحمه الله يقول: ما من أحد إلا وهو مأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله ﷺ" ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے مگر اس کی بات لی جائے گی اور رد بھی کی جائے گی سوائے اللہ کے رسول کے، یعنی امام مالک کی بات بھی رد ہو سکتی ہے۔

وروى الحاكم والبيهقي عن الشافعي أنه كان يقول: اذا صح الحديث فهو مذهبي وفي رواية: إذا رأيتم كلامي يخالف الحديث فاعملوا بالحديث واضربوا بكلامي الحائط. امام حاکم اور بیہقی نے امام شافعی

رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ میری بات حدیث کے مخالف ہو رہی ہے تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو دیوار پر مار پھینکو۔

وكان الامام أحمد يقول: ليس لأحد مع الله ورسوله كلام، وقال أيضا لرجل: لا تقلدني ولا تقلدن مالكا والأوزاعي والنخعي ولا غيرهم وخذ الأحكام من حيث أخذوا من الكتاب والسنة. امام احمد رحمہ اللہ کہا کرتے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام کے آگے کسی کی بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے، آپ نے ایک شخص سے یہ بھی کہا کہ میری تقلید نہ کرنا، نہ مالک کی تقلید کرنا، نہ اوزاعی ونخعی یا ان کے علاوہ کسی کی، بلکہ احکام کو وہاں سے لو جہاں سے یہ کتاب وسنت سے لیا کرتے تھے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو شاگردان امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ: قالوا: لا يحل لأحد أن يفتي بقولنا ما لم يعلم من أين قلنا" کہ انہوں نے فرمایا کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہماری بات کا فتوی دے جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے یہ بات کہاں سے لے کر کہی ہے۔

سورہ حجرات کی آیت جس میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے سبقت نہ کرو اور اپنی آواز کو رسول کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ سورہ فتح کے فورا بعد کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا تاریخی معاہدہ ہوا تھا۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی غرض سے نکلے تھے۔ کفار نے مخالفت کی کہ اس سال عمرہ کرنے نہیں دیں گے، آئندہ سال آنا ہوگا۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ نے کفار مکہ کے ساتھ بہت دب کر صلح کی تھی۔ اس موقع پر صحابہ کرام کی بے چینی اور بے اطمینانی ظاہر تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول سے ایسی صلح کرنے پر حجت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ یہ اللہ کے پیغمبر ہیں جو کچھ کریں گے اللہ نے ہم کو آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اللہ کے رسول نے صلح کی، کفار مکہ نے صلح نامہ پر لفظ "رسول اللہ" لکھنے پر اعتراض کیا، کوئی صحابہ اس کو مٹانے پر راضی نہ تھے، آخر اللہ کے رسول نے خود اس کو حذف کیا۔ ایسی صلح کو اللہ تعالی نے فتح مبین سے تعبیر کیا اور سورہ فتح نازل کر کے مومنین کو فتح مبین کی خوشخبری سنائی اور بتایا کہ "ستدخلون المسجد الحرام إن شاء الله آمنين" کہ ان شاء اللہ تم لوگ مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوگے۔

اس سورہ فتح کے فوراً بعد جو دوسری سورہ موجود ہے اس کی پہلی آیت میں اللہ نے مومنین کو آگاہ کیا کہ آئندہ اللہ کے رسول کی بات اور حکم کے آگے اپنی بات نہ کرنا اور اللہ کے رسول کے آگے اپنی آواز اونچی نہ کرنا، اگر تم نے نہ مانا تو ہوسکتا ہے کہ تمہارے تمام اعمال اور نیکیاں ضائع وبرباد ہو جائیں اور تم کو اس کا احساس تک نہ ہو۔

اس لیے میری اپنے تمام مسلم بھائیوں سے مخلصانہ نصیحت ہے کہ "محمد رسول اللہ" کے مفہوم اور تقاضا کو سمجھو اور تقلید امام کے مطلب پر غور کرو جس میں رسول سے سبقت اور اپنی بات کو اوپر کرنے کا پہلو پایا جاتا ہے اور ان ائمہ کرام کی نصیحت کو مانو جنھوں نے دین کی خدمت کی ہے اور امت مسلمہ کو اتباع وپیروی کے معاملہ میں واضح ہدایتیں دے چھوڑی ہیں۔ ☆

درس حدیث

اللہ کے نزدیک محبوب دو کلمے

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ". (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح: ۶۴۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: دو کلمے جو زبان پر آسان، میزان میں گراں اور رحمان کو محبوب ہیں وہ ''سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم'' ہیں، یعنی میں اللہ کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہوں، میں اس اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو عظمت والا ہے۔

عبادت میں ذکر واذکار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ تقرب الٰہی کا ذریعہ اور گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس سے دلوں کو اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے، بندہ رب کا محبوب بنتا ہے، اس پر اس کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور فرشتے اس کی معیت اختیار کرتے ہیں۔

بعض اذکار بعض مواقع اور اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے صبح وشام کے اذکار یا کھانے پینے، لباس پہننے، سونے جاگنے، گھر، مسجد اور بازار میں آنے جانے کے اذکار وغیرہ۔

اور بعض اذکار ایسے بھی ہیں جو تخصیص کے بغیر بھی وارد ہیں، ان ہی اذکار میں وہ پیارا ذکر بھی ہے جو حدیث بالا میں مذکور ہے، اس ذکر کے متعدد فضائل صحیح حدیثوں میں وارد ہیں، فرمان نبوی ہے: جو ایک مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھتا ہے جنت میں اس کے لیے ایک پودا لگا دیا جاتا ہے۔ (صحیح سنن الترمذی: ۲۷۵۷) ایک دوسری حدیث میں ہے: جو شخص سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھتا ہے تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہو۔ (صحیح سنن الترمذی: ۲۷۵۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح وشام سو سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھتا ہے قیامت کے دن آنے والے نیک اعمال میں اس سے زیادہ نیکی کسی کے پاس نہیں ہوگی سوائے اس شخص کے جس نے اسی طرح کا ورد کیا یا اس سے زیادہ کیا۔ (صحیح سنن الترمذی: ۲۷۶۲)

مذکورہ بالا حدیث میں اس ذکر کی تین خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے، پہلی خوبی یہ ہے کہ اس کی ادائیگی زبان پر آسان ہے، ایسے حروف پر یہ مشتمل ہے کہ کیا عرب اور کیا عجم سب سہولت کے ساتھ اسے پڑھ لیتے ہیں، اتنے آسان اور مانوس الفاظ اور چھوٹے چھوٹے جملے کہ بغیر کسی تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے پڑھنے والا پڑھتا جائے اور رب کی عظمت کے احساس سے اس کا سراپا سرشار ہوتا جائے۔ یہ کتنی خوبی کی بات ہے کہ اتنے مختصر اور آسان ورد سے اتنی بڑی دولت ہاتھ آرہی ہے۔

اس ذکر کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو رب کی محبت حاصل ہوگی، رب کریم اسے اپنے محبوب بندوں میں شامل کرے گا، اس کے نیک اقوال واعمال سے بھی محبت کرے گا، اس کا ذکر اپنے پاس فرمائے گا، اسے اپنی خاص مدد اور

توفیق سے نوازے گا، اس کی نیکیوں کو قبول فرمائے گا، اس کے کاموں کو آسان بنائے گا، ہر شر سے اس کی حفاظت فرمائے گا اور اپنی خاص رحمت میں اسے جگہ دے گا۔

اس حدیث سے اللہ تعالی کی صفت محبت ثابت ہوتی ہے جس سے اہل سنت ذات باری کو متصف مانتے ہیں اور گمراہ فرقوں کی طرح اس کی تاویل یا انکار نہیں کرتے۔

حدیث میں ''الرحمٰن'' کا لفظ بھی بڑا معنی خیز ہے، یہ اسماء حسنی میں سے ایک ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رب کریم صفت رحمت کے ساتھ متصف ہے، رب کی یہ صفت اتنی عظیم الشان ہے کہ اس سے مومن وکافر، انسان وحیوان سب اس دنیا میں فیض یاب ہو رہے ہیں، ہم گناہ گاروں کو بھی اسی رحمت کا سہارا ہے۔

اس ذکر کی تیسری خوبی یہ ہے کہ یہ اس ترازو میں جو قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا وزن کرنے کے لیے نصب کیا جائے گا ثقیل ہوگا۔

بروز قیامت میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا وزن کیا جانا برحق ہے۔ اس کے دلائل بکثرت کتاب وسنت میں موجود ہیں۔ اس لیے اہل سنت اس پر ایمان رکھتے ہیں، اس کا انکار یا تاویل نہیں کرتے۔

سبحان اللہ! رب کا کرم دیکھئے کہ وہ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے، کہا جاتا ہے: الأجر على قدر المشقة ثواب تکلیف ومشقت کے اعتبار سے ملے گا، لیکن یہ ذکر اس قاعدہ سے مستثنی ہے، زبان پر ہلکا ہونے کے باوجود میزان عمل میں وزنی، یہ رب کے فضل کے سوا اور کیا ہے؟ اس بشارت کے ذریعہ رب کے محبوب رب کے بندوں کو اس ذکر کی ترغیب دے رہے ہیں کہ نیکی کمانے اور عمل کے میزان کو وزنی کرنے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ اس ذکر سے زندگی کو شاداب رکھا جائے۔

سبحان الله وبحمده أي أسبح الله متلبسا بحمده میں اللہ کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کرتا ہوں یعنی اس ذات وحدہ لاشریک کو ہر نقص وعیب سے پاک گردانتا ہوں، ساتھ ہی ساتھ اس کے اوصاف کمال وحمید فعال پر اس کی حمد وثنا کے گن گاتا ہوں۔

سبحان اللہ العظیم میں اس اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو عظمت والا ہے، اپنی ذات وصفات اور مرتبہ ومقام کے اعتبار سے عظیم ہے۔

''العظیم'' اللہ کے اسماء حسنی میں سے ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ذات عظمت کی صفت سے متصف ہے، قرآن کریم کی سب سے عظیم الشان آیت کریمہ یعنی آیت کرسی کے اختتام میں بھی اسی صفت کو ذکر کیا گیا ہے وهو العلي العظيم اور وہ بلندی وعظمت والا ہے اور مشہور حدیث قدسی میں اللہ نے اپنی اس صفت کو ذکر کیا ہے: الكبرياء ردائي والعظمة إزاري فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار. (سنن ابوداود: ۴۰۹۰، سنن ابن ماجہ: ۴۱۷۴، مسند احمد: ۸۶۷) بڑائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے جو ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے آگ میں پھینک دوں گا۔

اب قارئین یہ اندازہ لگائیں کہ یہ دعا مختصر اور آسان ہونے کے باوجود رب کریم کے کتنے اہم اسماء وصفات پر مشتمل ہے تو پھر کیوں نہ یہ میزان عمل میں گراں ہو اور اس کا ورد کرنے والا رب کا محبوب ومقرب!؟ ☆☆

افتتاحیہ

ماحولیاتی آلودگی ایک سنگین عالمی خطرہ

معاون مدیر

اسلام دین فطرت ہے۔ وہ تمام انسانوں کو نظام فطرت کا پابند رکھنا چاہتا ہے ﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ (الروم: ۳۰) انسان اپنی عام زندگی میں اس نظام کی مخالفت نہ کرے اسی میں اس کی اور سب کی فلاح ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ سائنس کی بے پناہ ترقی اور حصول آسائش کی ہوڑ نے ہمیں نظام فطرت کا باغی بنا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم خود اپنی ہلاکت کا سبب بن گئے اور اپنے لئے اس خوبصورت دنیا کو جہنم زار بنالیا۔

آج انسانی آبادی کے لئے اس دنیا میں سب سے بڑا خطرہ ماحولیاتی آلودگی ہے۔ اس کی وجہ سے روزانہ کتنی ہلاکتیں ہوتی ہیں اور کتنی مہلک بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ تنفس کی بیماریاں، پھیپھڑے کا کینسر، فالج، آنکھ کی بیماریاں، جلدی امراض، امراض قلب اور بانجھ پن کے بڑھنے کا سبب آب وہوا کی آلودگی ہے۔ جن علاقوں میں آلودگی زیادہ ہے وہاں بیماریاں زیادہ ہیں اور جن علاقوں میں آب وہوا صاف ستھری ہے وہاں صحت وتندرستی زیادہ ہے اور بیماری کے مسائل کم ہیں۔

پوری دنیا ماحولیاتی آلودگی کے نقصانات سے باخبر ہے اور اسے کم کرنے کے لئے کمر بستہ بھی، اس کی روک تھام کے لئے اقوام متحدہ کے زیر سرپرستی کئی عالمی کانفرنسیں منعقد کی گئیں، فنڈ مختص کیا گیا، مشترکہ لائحہ عمل بنایا گیا۔ گزشتہ ماہ پیرس میں ہونے والی کانفرنس میں امریکہ کے علاوہ دوسرے شریک ممالک نے اسے نافذ کرنے کا عزم کیا۔ ملک کی راجدھانی دہلی اس آلودگی کی شکار ہے۔ غازی آباد، کانپور، لکھنؤ اور بنارس بھی اس کی زد میں ہیں۔ صنعتی کارخانوں سے نکلنے والے دھوئیں اور سیال مادے، ڈیزل گاڑیوں کی کثرت، تعمیرات کا لامتناہی سلسلہ، محلوں کے اندر گھروں میں قائم کارخانوں کی گیس اور دھوئیں اور ایئر کنڈیشن سے نکلنے والی گیس اس آلودگی کے اہم اسباب ہیں۔ دوسری طرف صفائی کی کمی اور درختوں کی بے تحاشہ کٹائی اور جنگلوں کو ختم کرکے اسے آبادی اور فیکٹریوں کے کام لانا بھی آلودگی کو بڑھاتا ہے اس لئے کہ درخت مضر گیسوں کو جذب کرکے آلودگی کم کرتے ہیں، اب درختوں کی کمی سے کاربن ڈائی آکسائڈ فضا میں بڑھتا رہتا ہے اور فضا کے اندر مختلف گیسوں کا تناسب بگڑتا چلا جاتا ہے۔ اسی آلودگی کے باعث اوزون (OZONE) پرت بھی دن بدن پتلی ہورہی ہے جس کے نتیجہ میں سورج کی شعائیں براہِ راست کرۂ ارضی پر پڑ رہی ہیں اور زمین کو نقصان پہنچا رہی ہیں اور اس سے قوت پیداوار کم ہورہی ہے اور اس آلودگی کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گلیشیر پگھل رہا ہے جو کسی بھیانک طوفان کا پیش خیمہ بھی ہوسکتا ہے۔ اگر

خدانخواستہ ایسا ہوا تو سمندروں کی سطح میں غیر معمولی اضافہ ہوگا اور انسانی آبادی کا ایک بڑا علاقہ غرقاب ہوجائے گا۔ گویا نظام فطرت کی مخالفت کرکے ہم نے خود خطرات کو مول لیا ہے۔

آلودگی کنٹرول بورڈ کی تازہ رپورٹ کے مطابق یوپی میں سب سے زیادہ آلودگی بنارس میں ہے۔ یہاں کی آب وہوا میں دھول کے ذرات ۳۱۴ مائیکروگرام فی گھن میٹر ہیں جو اوسط سے پانچ گنا زیادہ ہے، اس کا اوسط معیار ۶۰ مائیکروگرام فی گھن میٹر ہے۔ آلودگی کے اعتبار سے لکھنؤ دوسرے نمبر ہے پھر کانپور اور آگرہ ہے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق جیسے جیسے سردی بڑھتی ہے فضا بھی آلودہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ سردی سے بچنے کے لیے لوگ ٹائر، پالیتھین اور دوسری چیزیں جلاتے ہیں۔

یہ بات بھی مشاہدہ میں ہے کہ سردی کے موسم میں امراض قلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ دھند کی وجہ سے ہوا میں آکسیجن کی کمی، ٹھنڈک کی وجہ سے خون کا گاڑھا ہونا اور شریانوں کا سکڑنا اور تنگ ہونا ہے، دھول، گرد، دھواں آکسیجن کو اور کم کردیتے ہیں اور بسا اوقات سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے اور یہی بیماری کا سبب بنتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم:۴۱) فضائی آلودگی کے اس پس منظر میں اس آیت کریمہ کی صداقت پر غور کیجئے کہ اس کائنات میں ہونے والی بڑی تبدیلی کا سبب ماحولیاتی آلودگی ہے اور اس آلودگی کا سبب صرف اور صرف ہم ہیں اس لئے رب کے فرمان: ﴿وَلاَ تُفْسِدُواْ فِي الأَرْضِ بَعْدَ إِصْلاَحِهَا﴾ (الاعراف:۵۶) نیز ﴿وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الفَسَادَ﴾ (البقرۃ:۲۰۵) پر عمل کرتے ہوئے اس خوبصورت دنیا کو آلودگی سے بچایئے اور زمین کی حفاظت کیجئے، شجرکاری کو بڑھایئے، پانی کی حفاظت کیجئے، اسے صاف ستھرا رکھئے، زہریلے مادے اور فیکٹریوں سے نکلنے والے کیمیکلس کو محفوظ طریقے سے ضائع کیجئے، ڈیزل گاڑیوں کا کم سے کم استعمال کیجئے، ایئر کنڈیشن کا استعمال بوقت مجبوری کریں، ایسی فیکٹریاں آبادی کے درمیان ہرگز نہ لگائیں جن سے مسلسل دھوئیں اور گیس کا اخراج ہوتا ہو بلکہ ان کو آبادی سے دور ضروری تحفظات کے ساتھ قائم کریں اور حکومتیں بھی اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو ادا کریں، صحت وتندرستی کے مد میں خرچ کی جانے والی خطیر رقم کا ایک حصہ اگر صحت کی حفاظت پر خرچ کردیا جائے تو یہ ملک وقوم کے لئے زیادہ مفید ہے اور اس کی حفاظت کے لئے آلودگی کی روک تھام سب سے ضروری ہے۔

☆☆☆

دعوت الی اللہ وراثتِ انبیاء

خطبہ حرم بتاریخ: ۲۷/ ۲/ ۱۴۳۶ھ = ۱۹/ ۱۲/ ۲۰۱۴ء

خطبہ: ڈاکٹر صالح بن محمد آل طالب
امام وخطیب مسجد حرام وجج جنرل کورٹ، مکہ مکرمہ

ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمنان محمد شفیق
مدرس ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے انبیاء ورسولوں کو یکے بعد دیگرے مبعوث فرمایا، اور جس نے اپنے رسولوں کے سب سے زیادہ اطاعت گذار وفرماں بردار کو اپنا سب سے قریبی قرار دیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے جس نے ہر قوم میں اطاعت کیا جانے والا ہادی بھیجا، اور ہر ظلمت کے لئے ضوفشاں شعاع مبعوث فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کے برگزیدہ اور خلیل ہیں جن کو ان کے رب نے گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور اپنے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا روشن چراغ بنا کے مبعوث فرمایا، اور اللہ تعالی کی رحمت وبرکت نازل ہو آپ پر اور آپ کے اہل وعیال پر اور آپ کے تمام صحابیوں پر۔

حمد وصلاۃ کے بعد: اے لوگو! اللہ تعالی سے ڈرو، کیوں کہ اللہ تعالی کا خوف وتقوی سب سے بہتر توشہ اور لباس ہے، فرمان باری تعالی ہے: {وَاتَّقُواْ يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ} (بقرہ/ ۲۸۱) (اس دن سے ڈرو جس دن تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، ہر نفس کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا)

بے شک دنیا فنا اور ختم ہونے والی ہے اور یقینا آخرت باقی رہنے والی ہے، لہذا تم کو فنا ہونے والی چیز غفلت میں نہ ڈال دے اور باقی رہنے والی چیز سے مشغول نہ کردے، دنیا ختم ہوجائے گی اور لوٹنا اللہ کی طرف ہے۔

اے مسلمانو! بے شک اللہ تعالی نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ اللہ کے بارے میں لوگوں کی رہنمائی فرمائیں، اور مخلوق کو وہ راستہ دکھلائیں جو اس کی طرف پہنچانے والا ہے، اور جب جب سابقہ رسالت کی نشانیاں مٹ گئیں، اور نبوت کی روشنی اس کے پیروکاروں کے دلوں میں بجھ گئی، تو اللہ تعالی نے اپنی طرف سے ایک رسول بھیجا جو اس کے دین کی مٹی ہوئی نشانیوں کی تجدید کرتا، اور مٹ چکی سنتوں کو زندہ کرتا اور مخلوط مفاہیم کی وضاحت کرتا۔

نبی کریم کا فرمان ہے کہ بنو اسرائیل کی قیادت ان کے انبیاء کیا کرتے تھے جب کوئی نبی وفات پاجاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی لیتا، اور میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، یہ روایت بخاری اور مسلم کی ہے، اسی وجہ سے جب اللہ تعالی نے تمام

انسانوں کے پیشوا وسردار محمد ﷺ پر نبوت کا خاتمہ کر دیا تو آپ ﷺ کو سب سے بہتر وافضل رسول اور آپ کی امت کو سب سے بہتر وافضل امت قرار دیا، اور اللہ کی طرف سے اس امت کی یہ تکریم وتعظیم ہے کہ اس نے اس امت کو یہ شرف بخشا کہ وہ اللہ کی طرف دعوت دینے اور رہنمائی کرنے کا رسولوں کا فریضہ انجام دے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: {كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ} (آل عمران/۱۱۰) (اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

اور اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو خبر کر دیں: {قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي} (یوسف: ۱۰۸) اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اور میرے پیروکار اللہ کی طرف پوری بصیرت یعنی علم کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔

اللہ کی طرف دعوت دینا اس امت کی دائمی ذمہ داری رہی ہے، اور اب بھی ہے جیسا کہ فرمان الہی ہے: (تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں) (آل عمران ۱۰۴)، چنانچہ اس امت پر واجب ہے کہ نبی پر جو کچھ بھی نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کریں، اور جس طرح آپ نے ڈرایا ہے اسی طرح وہ بھی لوگوں کو ڈرائیں کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ} ۱۲۲) اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے، اور دین کی سمجھ حاصل کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ ڈر جائیں۔

ایک دوسری آیت میں ہے: {ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ} (النحل ۱۲۵) (اے نبی اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے، اور لوگوں سے بحث تکرار کیجئے ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو)، نیز فرمایا: اور اپنے رب کی طرف دعوت دیجئے اور یقینا آپ سیدھی راہ پر گامزن ہیں) (حج: ۶۷)، مزید ارشاد فرمایا: {وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ} (قصص: ۸۷) اور اپنے رب کی طرف بلائیے اور ہرگز مشرکوں میں سے مت ہوئیے، اور نبی کا فرمان ہے کہ میری طرف سے تبلیغ کرو گرچہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

ان مذکورہ آیات اور حدیث میں امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس کا تقاضہ ہے کہ دعوت دینا ہر کسی کے اوپر اس کی طاقت کے بقدر واجب ہے، گرچہ وہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگ دعوت کا کام کرتے ہیں تو بقیہ لوگوں سے یہ ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے، لیکن یہ فرض کفایہ کیسے ہے جبکہ یہ امت زیادہ تر جہالت، لاعلمی، کم اطاعتی، انحرافات اور بدعات میں ڈوبی ہوئی

ہے، اور مسلمانوں میں دعوت وتعلیم کے حاجت مندوں کی کثرت ہے چہ جائیکہ گمراہ اور کافر قومیں ان کی تو بہتات ہے۔

جان لیجئے کہ ہر دعوت کا آغاز اور ہر پیغام کی ابتدا اللہ عظیم وجلیل کی وحدانیت کی طرف دعوت دینے اور اس کو الوہیت وربوبیت میں ایک ماننے سے ہوتی ہے یعنی وہی ایک معبود برحق اور وہی اکیلا رب ہے، اور یہی تمام رسولوں کی دعوت کی بنیاد رہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ } (نحل/۳۶) اور البتہ تحقیق کہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس نے کہ لوگوں سے کہا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ ایک دوسری آیت میں ہے: { وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ } (انبیاء:۲۵) ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں ان کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

اور ان آسمانی رسالات کی تفصیل میں جو کچھ بھی آیا ہے وہ اسی عظیم اصل وبنیاد کی طرف لوٹتا ہے۔

اے مسلمانو! ایک مؤمن کے شرف وعظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جس چیز کی دعوت اللہ تعالی نے دی ہے اسی کی دعوت وہ بھی دے، اور اللہ تمہیں سلامتی کے گھر یعنی جنت کی طرف دعوت دے رہا ہے (یونس: ۲۵) اور اسی پاک ذات کا ایک دوسری آیت میں فرمان ہے: اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ (بقرہ:۲۱۱)

اللہ کے بندو! یاد رکھو کہ اسلام میں کوئی بھی پیشہ وعمل عالم دین کے پیشہ وعمل سے زیادہ شرف والا، افق کے اعتبار سے زیادہ وسیع وکشادہ، ذمہ داری کے حساب سے زیادہ گراں، عہد کے اعتبار سے زیادہ مضبوط اور باعتبار اجر وثواب زیادہ بڑا نہیں ہے، کیونکہ عالم دین مقام نبوت کا وارث، اور اس کی سب سے اہم ذمہ داری کا ادا کرنے والا ہوتا ہے، اور وہ ذمہ داری اللہ کی طرف دعوت دینا، اور مخلوق خدا کی اللہ کی طرف رہنمائی کرنا، ان کا تزکیہ کرنا، تعلیم دینا اور حق پر ان کی تربیت کرنا ہے، یہاں تک کہ وہ اس حق کو سمجھنے لگیں اور اس کو قبول کرلیں، پھر وہ اس کے مطابق اور اسی کے لئے عمل کریں، لہذا داعی کے قول سے زیادہ اچھا اور کسی کا قول نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: { وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ } (حم السجدۃ: ۳۳) اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نبی کی سنت کو امت تک پہنچانا دشمن کے گلوں کی طرف تیر چلانے سے زیادہ افضل وبہتر ہے، کیونکہ تیر چلانے کا کام تو بہت سارے لوگ کرتے ہیں لیکن سنتوں کی تبلیغ تو صرف وارثین انبیاء ہی کرتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء کا کہنا ہے کہ ایک بندہ کا سب سے افضل صدقہ وہ نصیحت وموعظت ہے جو وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو کرتا ہے، جس کے بعد وہ لوگ جدا ہوجاتے ہیں اس حال میں کہ اللہ نے اس کی نصیحت کے ذریعہ ان کو فائدہ پہنچایا۔

اور بخاری ومسلم میں حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تمھارے ذریعہ ایک آدمی کا ہدایت پانا سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

اور دعوت کا کام اللہ تعالی کی محبت کے حصول کا سبب ہے، جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہے، اور یقینا لوگوں کے لئے سب سے زیادہ نفع والی چیز ان کے عقیدہ اور دین کو صحیح کرنا ہے، اسی طرح ان کے معیار ایمان کو بلند کرنا، ان کے اخلاق و کردار کو پاکیزہ بنانا، اور ان کو پیش آنے والی خواہشات نفسانی کے خلاف جنگ کرنا ہے۔

حضرات! داعیوں کی کامیابی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہی دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب و کامران اور خوش نصیب ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} (آل عمران/۱۰۴) (تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیے جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں، جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے)

اور یہی اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں، فرمان باری تعالی ہے: {وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} (توبہ: ۷۱) مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے ولی و دوست ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقینا اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔ امام مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو اس ہدایت پر عمل کرنے والے کے مثل ہی اجر و ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔

اللہ کی طرف دعوت دینے کے نتیجہ میں دعوت دینے والا ہدایت پر ثابت قدم رہتا ہے، اس کے اہل خانہ اور اولاد میں برکت ہوتی ہے، دعوت برائیوں کو مٹاتی ہے، گمراہوں کے شبہات کو دور کرتی اور اس کے اثر کو ختم کرتی ہے، دعوت کے ذریعہ سماج کی حالت بہتر ہوتی ہے، اسلام پھیلتا ہے اس کو عزت حاصل ہوتی ہے، اس کی شان بلند ہوتی ہے، اور دعوت و تبلیغ کے شرف و منزلت کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اس دین کے قائم ہونے کا ذریعہ ہے جس کو اللہ رب العالمین نے لوگوں کے لئے پسند کر لیا ہے۔

اللہ کی طرف دعوت دینے سے نیکیوں میں زیادتی ہوتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، اور اگر چہ انسانوں کی موت سے ان کے اجر و ثواب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن ایک داعی کا اجر و ثواب لگا تار جاری رہتا ہے جب تک کہ اس کی دعوت کا نفع جاری رہتا ہے، حضرت ابو مسعود انصاری کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بھی کسی خیر و اچھے کام کی رہنمائی کی تو اس کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اجر اس کے کرنے والے کو ملے گا۔ یہ روایت مسلم کی ہے۔

بلا شبہ داعیوں اور اصلاح پسندوں پر واجب ہے کہ دین اور فضائل کو نشر کرنے اور پھیلانے کی جو ذمہ داری ان پر عائد

کی گئی ہے اس کو ادا کریں، شر اور برائی کو مٹانے، اور علانیہ فساد اور بگاڑ کے لہر کو روکنے کی پوری کوشش کریں جو آج کل پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے، جیسا کہ فرمان ہے:

{وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ} (آل عمران: ۱۸۷) اور جب اللہ تعالی نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاری سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب بھی کسی ملک میں دعوت کمزور پڑ جاتی ہے یا دعوت کا کام بند ہو جاتا ہے تو شریعت پر عمل کرنے والوں کی تعداد میں کمی پیدا ہو جاتی ہے، لوگوں کا عقیدہ خراب ہو جاتا ہے، عبادت اور سنتوں میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے، امن درہم برہم ہو جاتا ہے اور گمراہ افکار پھیل جاتے ہیں۔

اللہ کے بندو اور مسلمانو! ہم سے پہلے کی امتوں اور قوموں نے کوتاہی کی، لہذا ان پر عذاب الہی نازل ہوا، فرمان باری تعالی ہے: {ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا} (فاطر: ۳۲) پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اس وراثت کے لئے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ معلوم ہوا کہ یہ امت ایک برگزیدہ منتخب امت ہے اور اس عظیم میراث کی ذمہ دار ہے جو اس تک منتقل ہوئی ہے، اور اللہ کے سامنے اس میراث کے بارے میں جوابدہی بہت بڑی ہے، اسی طرح قرآن کے سامنے بھی جس پر وحی الہی کا خاتمہ ہوا، اور جس امت کو اللہ نے اس کے تعلیم و تعلم اور نشر کرنے کا ذمہ دار بنایا ہے، اور جس کو مکلف کیا ہے کہ اس کے مطابق زندگی گذارے اور اسی کے لئے زندہ رہے، یقینا امت اسلامیہ اس کتاب اور رسالت کی وارث ہے لہذا اس ذمہ اری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالے، اور ہدایت، تقوی، عفت اور پاکدامنی، زہد اور بے نیازی میں دنیا کی قیادت کرے۔

بلا شبہ مختلف تاریکیاں لوگوں کو حق سے روک دیتی ہیں جس میں وہ زندگی گذارتے ہیں، پھر اسی تاریکی میں ان کی موت ہو جاتی ہے، لہذا ہم مسلمان چراغ دکھلانے کے مکلف ہیں تا کہ حیران و پریشان لوگ ہدایت یاب ہوں، اور جس طرح پہاڑ زمین کے لئے مضبوط میخ ہیں جو اس کو ڈگمگانے سے روکے ہوئے ہیں، اسی طرح باعمل علماء سماج و معاشرہ کے لئے مضبوط میخ ہیں، اور وہی ہر پھیلنے والی بیماری کا علاج ہیں، اور وہی زمین میں خیر و بھلائی کی بقا کے لئے ایک بچی کھچی امید ہیں، اگر چہ پریشانیاں و مصائب لگاتار جاری ہیں اور افق سیاہ ہو گیا ہے، لیکن پھر بھی اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ} (اعراف: ۱۸۱) ہماری مخلوق میں ایک امت ایسی بھی ہے جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق ہدایت دیتی ہے اور حق کے مطابق انصاف کرتی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ حق کی طرف بلانے کا عمل بہت ہی پر مشقت ہوتا ہے کیونکہ جب بھی کوئی لوگوں کی خواہشات اور ان کی اہواء سے ٹکراتا ہے تو لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں، اور یہی سب کچھ ان سے پہلے کے انبیاء کے ساتھ پیش آیا، لھذا ساتھ نہ دینے والوں اور مدد نہ کرنے والوں کی حوصلہ شکنی پر نیز روڑا اٹکانے والوں اور مخالفت کرنے والوں کے مکر پر صبر کرنا از حد ضروری ہے، اور ساتھ ہی تمام مخلوق کی بھلائی کے لئے بھاگ دوڑ جاری رکھنی چاہیے۔

اور بلا شبہ ہمارے نبی محمد ﷺ مخلوق کی ہدایت پر لوگوں میں سب سے زیادہ حریص تھے، اور جب آپ کو یہ حکم دیا گیا:{يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنذِرْ} (مدثر:۱۔۲) کہ اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اٹھئے اور خبردار کیجیے۔اسی وقت سے آپ نے دعوت شروع کردی اور پھر کبھی رکے نہیں۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے رسالت پہنچادی، امانت ادا کردی اور امت کو نصیحت کی، اور راہ حق میں کما حقہ جہاد کیا یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے کوچ کر گئے، آپ نے اپنی جان، اپنی راحت، سکھ چین اور سب کچھ مخلوق کی دعوت، ان کی تعلیم اور ہدایت کے لئے قربان کردی یہاں تک کہ آپ لوگوں کی وجہ سے ٹوٹ گئے، اور آپ ہر جگہ ہر حالت اور ہر وقت لوگوں کو وعظ کرنے کے لئے موقعوں کا اچھی طرح فائدہ اٹھاتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:{فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاء وَيَهْدِي مَن يَشَاء فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ} (فاطر:۸) حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے، پس اے نبی خواہ مخواہ آپ کی جان ان لوگوں کی خاطر غم وافسوس میں نہ گھلے۔ایک دوسری آیت میں ہے:{فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا} (کہف:۶) اچھا تو اے نبی شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہیں گر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔

برادران اسلام! یاد کیجئے کہ جب جن آپ ﷺ پر ایمان لائے تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے، اور جب حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے تو فورا دعوت کے کام میں لگ گئے، جس کے نتیجہ میں دنیا میں ہی جنت کی بشارت پانے والے دس اصحاب کرام میں سے پانچ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں میں سے تھے، اب انھوں نے بحالت اسلام جو بھی کام انجام دیا تو حضرت ابوبکر کو ان ہی کے اجر کے برابر اجر وثواب ملا۔

اسی طرح جب حضرت طفیل دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو انھوں نے اپنے قبیلہ دوس کے ۸۰ یا ۹۰ آدمیوں کو مسلمان بنا کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔

اور ہمارے سلف صالحین نے تو دعوت کی خاطر سمندروں کو عبور کیا، چٹیل میدانوں کو طے کیا، اور اللہ کی راہ میں تبلیغ کے لئے رات ودن ایک کردیا، تو اب کیوں ان اچھے اور بہترین لوگوں کے بعض وارثین اپنے گردو پیش کے قرابتداروں، پڑوسیوں اور خادموں کو دعوت دینے میں سستی کرتے ہیں، چہ جائیکہ ان کے علاوہ کو دعوت دیں، جبکہ آج کے زمانہ میں دعوت کی راہیں بہت آسان ہیں، اور اس کے مختلف وسائل وذرائع ہیں، اللہ کی قسم! یاد رکھئے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے کی کتنی فضیلت ہے اور اس میں کتنا زیادہ اجر وثواب ہے، تو وہ ہرگز اس کام سے باز نہ رہیں۔

بلا شبہ نیکی وبھلائی کا کام کرنا اور خیر کی طرف دعوت دینا غالب امت کی نمایاں خوبی، اس کا خمیر اور دائمی پیشہ ہوتا ہے، اور اس کا پیغام محض زبانی دعوی نہیں ہوتا بلکہ وہ نمونہ اور کامل خیر ہوتا ہے جس پر ایک داعی دعوت دینے سے پہلے عمل پیرا ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُونَ، وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ} (حج: ۷۷۔۷۸) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو رکوع اور سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو، اور نیک کام کرو تا کہ تم فلاح یاب ہو، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے)

یقیناً ہر عالم کو یہ جان لینا ضروری ہے کہ کتاب اللہ کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری ہے، اور سنت رسول ﷺ کا وہ امین ہے بایں طور کہ وہ اسی کے مطابق عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے، اور عالم ان دونوں یعنی قرآن وسنت کا محافظ ہے اس بات سے کہ غلو کرنے والے ان دونوں میں تحریف کریں یا باطل پرست ان دونوں کی حقیقت کو توڑ مروڑ کے پیش کریں یا اہل بدعت ان دونوں سے کھلواڑ کریں، ہر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ہوشیار اور چوکنا رہے کہ کہیں اسلام کو اس کی طرف سے کوئی ضرر ونقصان نہ ہو، اور جب بھی اس کی طرف دعوت دینے والا بلائے تو وہ حق کی آواز پر بہت جلد لبیک کہنے والا بنے، اور جب بھی اس کے گھر پر حملہ ہو تو جلد از جلد اس کی مدد کرے۔

اور ایک عالم کے اوپر واجب ہے کہ جب جب ضلالت وگمراہی سرگرم ومتحرک ہو تو وہ بھی ہدایت میں سرگرم ہو جائے، اور جب دیکھے کہ باطل حق کے اوپر غلبہ پا رہا ہے تو حق کی مدد کرنے میں جلدی کرے، اور بدعت، برائی اور فساد کے خلاف اس کے جڑ پکڑنے اور مضبوط ہونے نیز لوگوں کے عادی ہونے سے پہلے جنگ کرے ورنہ اس کی جڑیں لوگوں کے دلوں میں مضبوط ہو جائیں گی جن کا اکھاڑ پھینکنا پھر مشکل ہوگا۔

اور بلاشبہ اللہ تعالی مخلصوں کی کوششوں میں برکت عطا کرتا ہے اگر چہ وہ بعض امور میں لڑکھڑا جاتے ہیں، جیسا کہ اس کا فرمان ہے: {وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ} (عنکبوت: ۶۹) (اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے)

اللہ تعالی ہمارے اور آپ کے لئے قرآن وحدیث میں برکت عطا فرمائے، اور ان دونوں میں موجود آیتوں اور حکمتوں سے ہم سب کو نفع پہنچائے، میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور میں اپنے لئے اور آپ سب کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

دوسرا خطبہ:

ہر طرح کی تعریف وثناء اللہ ہی کے لئے ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالی کی رحمت، سلامتی اور برکت نازل ہو آپ پر اور آپ کے اہل خانہ پر اور آپ کے صحابیوں پر اور ان سب پر جو ان کے ولی ودوست ہیں۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

یاد رکھئے کہ اللہ تعالی کی طرف دعوت دینے اور بلانے کا کوئی وقت اور جگہ مقرر نہیں ہے، دیکھئے نوح علیہ السلام کہتے ہیں: {قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا} (نوح: ۵) کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو شب وروز دعوت دی۔ اور اس کے لئے آپ نے مختلف طریقے اختیار کیے، وہ کہتے ہیں: {ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا} (نوح: ۹)

کہ پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا، اور دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا، انھوں نے اپنے قیدی ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: {يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ} (یوسف: ۳۹) اے زنداں کے ساتھیوں تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ اب اگر کوئی کسی طریقہ سے عاجز و بے بس ہے تو اس کو دوسرا طریقہ مل ہی جائے گا، اور اگر کسی کے اوپر کوئی دروازہ بند ہوتا ہے تو اس کے لئے دوسرے بہت سے دروازے کھل جاتے ہیں، یہ ایسی نصیحت ہے جو سب کے لئے آسان ہے۔

ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعوت وتبلیغ، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں شرعی اصول وضوابط کے اعتبار سے اور اپنی طاقت کے بقدر مضبوطی سے جمارہے، اور دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں پیش آمدہ مصائب ومشکلات کے جھیلنے پر اپنی نفس کو اس کا عادی بنائے، اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ لوگوں کے دلوں میں بہت زیادہ خیر وبھلائی موجود ہے۔

بلاشبہ بہت سارے مسلمان ہیں جو علم، فقہ، احکام کی معرفت اور تعلیم میں ماہر ہیں، اور دوسرے بہت سارے ہیں جو پند وعظ، موعظت ونصیحت اور دلوں پر رقت طاری کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں، اور بہت سارے ہیں جو نصیحت ورہنمائی کرنے، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں پوری دسترس رکھتے ہیں، اور بہت سارے ہیں جن کا مشغلہ کتابوں کی نشر واشاعت ہے، اور کسی کا کام باطل کا دفاع اور اس سے لڑائی کرنا ہے، معلوم ہوا کہ ہر کوئی اسلام کے کسی نہ کسی سرحد اور بارڈر پر تعینات ہے، اور یہ بالکل درست نہیں ہے کہ یہ فائدہ مند تنوع اور رنگارنگی باہمی تفرقہ اور جھگڑا کا سبب ہو، بلکہ ہر ایک مسخر ہے اس چیز کے لئے جس کے لئے اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: {قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ} (بقرہ: ۶۰) اور ہر کسی نے اپنا گھاٹ اور چشمہ اچھی طرح جان لیا (بقرہ 60/)، ایک دوسری آیت میں ہے: {وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُواْ كَآفَّةً فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ} (توبہ: ۱۲۲) اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ حاصل کرتے، اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ ڈر جائیں۔

اب اگر کوئی محب خیر یا اصلاح پسند فرد یا جماعت دعوت کے کسی معاملہ میں کوئی غلطی کرتا ہے لیکن اس کا ارادہ اچھا ہے اور اس کی سیرت نیک ہے، تو بایں صورت ان کے بھائیوں پر واجب ہے کہ وہ ان کو بھلائی کے ساتھ رہنمائی کریں، اور ان کی تعلیم پر صبر کریں خواہ وہ کتنا بھی تشدد برتیں، اور ہر وقت ان کو نصیحت کرتے رہیں، جیسا کہ انبیاء نے اپنے مشرک قوموں کے بارے میں صبر سے کام لیا، تو بلاشبہ ان کے مقابلہ میں یہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان پر صبر کیا جائے کیونکہ اختلاف یقینا راہ دعوت کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ فلاح پاؤ گے، اور اللہ کی رحمت ہو اس پر جس نے گرچہ آدھے کلمہ کے ذریعہ ہی

دین کی مدد کی، اور یقیناہلاکت ہے اگر دین اسلام کی طرف دعوت دینے پر قادر بندہ عمل دعوت کو چھوڑ دیتا ہے۔

بے شک جو چیز سب سے زیادہ اسلام کو بدنام کرنے والی، اس کو ٹھیس پہنچانے والی، اس کی رفتار دعوت کو سست کردینے والی اور اس کے انتشار کو محدود کردینے والی ہے وہ کچھ مسلمانوں کے جاہلانہ، غیر دانشمندانہ وغیر عاقلانہ اعمال ہیں، خصوصا وہ لوگ جو اپنے آپ کو اس کی حفاظت کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں جبکہ قرآن میں آیا ہے:{رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا} (ممتحنہ:۵) کہ اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنادے۔

اور پچھلے چند سالوں میں ہم سبھی نے ان کے جرائم کا مشاہدہ کیا ہے جس نے کہ اسلام اور اس کی دعوت کو اتنا بدنام ورسوا کیا ہے جتنا کہ اس کے دشمن نہ کرسکے، اور جن جرائم کا میدان جنگ کا میدان نہیں تھا، یا اس کے شکار جنگجو افراد نہیں تھے بلکہ مسلمانوں کے اسکول، ان کے گھر اور بازار تھے۔

اور اس سلسلے کی آخری کڑی ان کا سولہ دسمبر ۲۰۱۴ء کو پاکستان کے صوبہ سرحد کے شہر پشاور میں واقع بچوں کے ایک فوجی پبلک اسکول پر حملہ کرنا تھا، جس میں ایک سوتیس سے زائد لوگوں کی وفات ہوگئی جن میں اکثریت بچوں کی تھی۔

بیشک ان قاتل درندوں کے پاس اللہ کے لئے کوئی عذر اور بہانہ نہیں ہے، اور کسی بھی عقل وخرد اور عاقل کے پاس اس کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے، اور کوئی بھی ضمیر ان کے اس عمل کو قبول نہیں کرے گا، اور کوئی بھی مروت وحمیت اس کو جائز نہیں قرار دیتی ہے، اور بلاشبہ ان قاتلوں نے حرام خون سے اپنا ہاتھ رنگین کیا ہے، اور ان جانوں کو ہلاک کیا ہے جن میں سے اکثر ابھی مکلف وبالغ نہیں ہوئے تھے، آخر ان کا کیا گناہ ہے، اسی طرح سیریا وعراق کے بچوں کا کیا گناہ ہے جو صبح شام قتل کئے جارہے ہیں، اور بھوک، خوف اور ٹھنڈک میں بے گھر وبار کئے جارہے ہیں، سارے مجرمین برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اسلام ان سب سے بری ہے۔

یقینا یہ ہمارے دین کے اصول میں سے ہے اور بدیہی طور پر معلوم ہے کہ ہر کسی کا خون معصوم ہے، اور اس کی شان بہت ہی عظیم ہے، لیکن اس کے باوجود ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کا بہانا بہت سارے لوگوں کے نزدیک بہت ہی آسان ہے، جس کی جرأت وہمت ان کے اندر گمراہ افکار اور جعلی رائے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اسلام نے تو محارب یعنی جنگجو کافروں کے بچوں کے خون کی حفاظت کی ہے، ان کے خونوں کو محفوظ قرار دیا ہے، تو پھر پرامن مسلمان بچوں کے خون کا کیا کہنا ہے۔

ہم اللہ سے دین میں پیچھے کی طرف پلٹ جانے اور غالی خوارج کے راستوں پر چلنے سے پناہ مانگتے ہیں، اور ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہی مسلمانوں کے لئے ان کی شرارتوں کی طرف سے کافی ہوجا، اور ان کو ان کے ایڑیوں کے بل واپس کردے، اور مسلمان فوت شدگان پر رحم فرما اور زخمیوں کو شفا دے۔

اور اس مجرمانہ حادثہ کا شکار ہوئے خاندانوں کی مسلمانوں کی طرف سے یہ تعزیت ہے کہ اللہ مرنے والوں پر رحم فرمائے، اور بچوں والوں کو ان کا بدل اور جانشین عطا کرے، اور ان بچوں کو ان کے والدین کے لئے اجر مقدم یعنی پیشگی اجر اور سفارشی بنائے، اور ان کو ان کے باپ ابراہیم کی کفالت وسرپرستی میں رکھے، آمین۔

✦✦✦

ایک ہاتھ سے مصافحہ: ایک تحقیقی جائزہ

مولانا محمد ایوب سلفی/استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

سب سے پہلے مصافحہ کا معنی واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ مصافحہ کا معنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں "هی مفاعلة من الصفحة والمراد بها افضاء بصفحة اليد إلى صفحة اليد" (فتح الباری ۱/۵۴) یہ صفحہ سے باب مفاعلت کا مصدر ہے جس کا معنی بطن کف کا بطن کف سے ملانا۔

امام ابن اثیر رحمہ اللہ نہایہ میں تحریر فرماتے ہیں "ومنه حديث المصافحة عند اللقاء وهی مفاعلة من الصاق صفح الكف بالكف واقبال الوجه على الوجه" (النھایۃ لابن اثیر ۲/۲۸۸) ہتھیلی کے باطنی حصہ کو دوسرے کی ہتھیلی کے باطنی حصہ سے ملانا اور چہرے سے چہرے کا سامنا کرنا۔ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے بھی مصافحہ کا معنی یہی لکھا ہے، آپ فرماتے ہیں "المصافحة هی الافضاء بصفحة اليد الى صفحة اليد" (مرقاۃ شرح مشکاۃ ۲/۸۴)

علامہ مرتضیٰ زبیدی حنفی رحمہ اللہ نے تاج العروس شرح قاموس میں بھی مصافحہ کا یہی معنی لکھا ہے: "الرجل يصافح الرجل اذا وضع صفح كفه فی صفح كفه وصفحا وجمعاهما ومنه حديث المصافحة عند اللقاء وهی مفاعلة من الصاق صفح الكف بالكف واقبال الوجه على الوجه" (تاج العروس شرح قاموس ۲/۱۸۱)

واضح ہو کہ مصافحہ کرنا سنت نبوی سے ثابت ہے اور وہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ بھی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ما من مسلمين يلتقيان فيتصافحان الا غفر الله لهما قبل ان يتفرقا" (ترمذی، الاستئذان، باب ماجاء فی المصافحۃ برقم ۲۷۲۷) جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے اللہ ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

مصافحہ کی سنت پر درج ذیل حدیث بھی واضح طور پر دلالت کر رہی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں "قال رجل: يا رسول الله! الرجل منا يلقى أخاه أو صديقه أينحنى له؟ قال: لا، قال: أفيلتزمه ويقبله؟ قال: لا، قال: ياخذ بيده ويصافحه؟ قال: نعم" (الترمذی، الاستئذان، باب المصافحۃ برقم: ۲۷۲۸ وحسنہ الألبانی: دیکھئے سلسلۃ صحیحۃ ۱/۸۸) ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کوئی آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرے تو کیا اس کے لئے جھکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، اس نے کہا کیا اس سے چمٹ جائے اور اس کو بوسہ دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں پھر اس نے کہا کیا اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

مذکورہ دونوں حدیثیں مصافحہ کے سنت ہونے پر دال ہیں۔ متعدد احادیث نبویہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ مصافحہ ایک

ہاتھ سے بلکہ دایاں ہاتھ سے مسنون ہے۔حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: "ترون كفي هذا فأشهد أني وضعتها على كف محمد صلى الله عليه وسلم (مسند احمد ۴/۱۸۹ وموارد الظمآن ۹۴۰) تم لوگ میری اس ہتھیلی کو دیکھتے ہو میں نے اس ہتھیلی کو محمد ﷺ کی ہتھیلی پر رکھا ہے۔

مسند احمد ہی کی روایت میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "بايعت النبى صلى الله عليه وسلم بيدى هذه على السمع والطاعة فيما استطعت" (احمد ۳/۱۷۲، مسند احمد کے محققین کی جماعت نے اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔(دیکھئے مسند احمد حدیث نمبر: ۱۲۷۶۳) میں نے اپنے ہاتھ سے اللہ کے رسول ﷺ سے اپنی استطاعت کے مطابق سمع وطاعت پر بیعت کی ہے۔

مذکورہ دونوں حدیثوں میں ''کف'' اور ''ید'' کا لفظ وارد ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ بیعت کے لئے ایک ہاتھ استعمال کیا گیا، اور ظاہر ہے کہ مصافحہ کی بھی یہی مسنون صورت ہے۔

صحابہ کرام عام طور سے نبی کریم ﷺ کے پاس آتے تھے اور آپ سے بیعت ومصافحہ کرتے تھے۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: "فلما جعل الله الاسلام فى قلبى أتيت النبى صلى الله عليه وسلم فقلت ابسط يمينك لأبايعك فبسط يمينه فقبضت يدى فقال: ما لك يا عمرو، فقلت: أردت أن اشترط فقال تشترط بماذا؟ أن يغفر لى، قال: أما علمت يا عمرو ان الاسلام يهدم ما كان قبله" (مسلم، الایمان، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ برقم ۳۲۱)

جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو میرے دل میں ڈال دیا تو میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ اپنا دایاں ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا، میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا آپ ﷺ نے فرمایا: عمرو کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ اللہ کے رسول! میں کچھ شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اس شرط پر بیعت کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے، آپ نے فرمایا: عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ماقبل الاسلام کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

واضح ہو کہ بیعت ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کو کہتے ہیں، مصافحہ کی بھی یہی صورت ہے۔مصافحہ بھی الصاق الکف بالکف ہے۔(النھایۃ فی غریب الحدیث ۳/۴۳) لہٰذا مصافحہ کی بھی مسنون صورت یہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں "لقينى رسول الله وأنا جنب، فأخذ بيدى فمشيت معه حتى قعد فانسللت" (البخاری، الغسل، باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق برقم: ۲۸۵) رسول اللہ ﷺ مجھ سے ملے اور میں جنبی تھا، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر میں آپ کے ساتھ چلا یہاں تک کہ آپ ﷺ بیٹھ گئے اور میں آپ کے پاس سے کھسک گیا۔

ایک اور روایت میں درج ذیل الفاظ مروی ہیں: "لقيت النبى صلى الله عليه وسلم وأنا جنب فمد يده الى فقبضت يدى عنه وقلت انى جنب فقال سبحان الله ان المسلم لا ينجس" (شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/ ۱۶) میں نے رسول اللہ ﷺ سے حالت جنابت میں ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا کہ میں جنبی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

مذکورہ دونوں حدیثوں کے الفاظ پر غور کریں، دونوں میں لفظ ''ید'' واحد وارد ہے لہٰذا یہ دونوں حدیثیں ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی سنیت پر دلیل قطعی ہیں۔ ان دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے مصافحہ کے لئے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا اور دوسری حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک ہاتھ جو مصافحہ کے لئے بڑھنا چاہئے اپنی جنابت کی وجہ سے پیچھے کھینچ لیا۔

اس لئے اکثر اہل علم ان حدیثوں کو ایک ہاتھ سے مصافحہ کے باب میں دلیل قطعی سمجھتے ہیں یہاں یہ تاویل بھی ممکن نہیں ہے کہ یہ بیعت کی خاص حالت تھی بلکہ یہاں آپسی لقاء واضح اور صریح ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کے باب میں مذکورہ حدیثوں کے علاوہ بھی کئی حدیثیں وارد ہیں، ان میں سے بعض میں کچھ ضعف ہے اس لئے ان چند حدیثوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔ آیئے یہاں چند فقہاء حنفیہ کے اقوال بھی ان حدیثوں کی تائید میں پیش کرتے ہیں تاکہ مسئلہ بالکل واضح ہوجائے۔ فقہ حنفی کی مشہور و معروف اور متداول کتاب ہدایہ میں علامہ مرغینانی رقم طراز ہیں: "ولا بأس بالمصافحة لأنه هو المتوارث" (ہدایہ، کتاب الکراھیۃ ۶/ ۱۵۵) مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ متوارث مسئلہ ہے۔

مذکورہ قول میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے یا دو ہاتھ سے لہٰذا اس کی صراحت کے لئے دیگر فقہاء کے اقوال پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: قوله "فان لم يقدر" أى على تقبيله الا بالايذاء أو مطلقا يضع يديه عليه ثم يقبلهما أو يضع احداهما والأولى أن تكون اليمنى لأنها المستعملة فيما فيه شرف ولما نقل عن البحر العميق من "ان الحجر يمين الله يصافح بها عباده والمصافحة باليمنى" (ردالمحتار حاشیہ درمختار ۳/ ۴۴۷) اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر آدمی حجر اسود کے بوسہ کی طاقت نہ رکھ سکے تو اس پر اپنا دونوں ہاتھ رکھے پھر ان دونوں ہاتھوں کا بوسہ لے یا صرف ایک ہاتھ رکھے اور دایاں ہاتھ رکھنا بہتر ہے، اس لئے کہ ہر باعزت مقام پر یہی ہاتھ استعمال کیا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ منقول ہے کہ حجر اسود اللہ کا دایاں ہاتھ ہے اللہ اس سے اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے اور مصافحہ دایاں ہاتھ سے ہوتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی کی درج ذیل عبارت بھی اس باب میں قابل ملاحظہ ہے:

"اتفق العلماء على أنه يستحب تقديم اليمنى فى كل ما هو من باب التكريم كالوضوء

والغسل ولبس الثوب والنعل والخف والسراويل ودخول المسجد والسواك والاكتحال وتقليم الأظفار وقص الشارب ونتف الابط وحلق الرأس والسلام من الصلاة والخروج من الخلاء والأكل والشرب والمصافحة واستيلام الحجر الأسود والأخذ والاعطاء وغير ذلك مما هو فى معناه ويستحب تقديم اليسار فى ضد ذلك" (النہایۃ، الوضوء، البداءۃ بالمیامن ۱/ ۲۴۸)

یعنی کہ ہر باعزت کام مثلاً وضوء، غسل، کپڑا، جوتا، خف یا پاجامہ وغیرہ پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن تراشنا، مونچھ کاٹنا، بغل کا بال اکھاڑنا، سر منڈانا، نماز میں سلام پھیرنا، بیت الخلاء سے نکلنا، کھانا پینا، مصافحہ، حجر اسود کا استیلام، لین دین وغیرہ میں دایاں کو مقدم کرنا مستحب ہے۔ اور شرف وفضیلت کے علاوہ کاموں میں بایاں ہاتھ بڑھایا جائے گا۔ اس عبارت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ علامہ عینی رحمہ اللہ مصافحہ میں دایاں ہاتھ بڑھانے کو مستحب قرار دے رہے ہیں جو عین حدیث رسول ﷺ کے مطابق وموافق ہے۔

علامہ ضیاء الدین حنفی نقشبندی رحمہ اللہ اپنی کتاب لوامع العقول میں حدیث رسول "اذا التقى المسلمان فتصافحا وحمد الله" کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں: "والظاهر من آداب الشريعة تعيين اليمنى من الجانبين لحصول السنة" (لوامع العقول بحوالہ تحفۃ الأحوذی ۳/ ۳۹۷) یعنی آداب شریعت سے ظاہر یہی ہے کہ مصافحہ کے مسنون ہونے کے لئے دونوں جانب سے داہنا ہاتھ متعین ہے اگر دونوں جانب سے بایاں ہاتھ ملایا گیا یا ایک جانب سے داہنا اور دوسری طرف سے بایاں تو بھی مصافحہ مسنون نہیں ہوگا۔

فقہاء احناف کی کتابوں کے مذکورہ اقتباسات سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی ہے کہ یہ فقہاء کرام دایاں ہاتھ سے مصافحہ کو مسنون ومستحب مانتے ہیں، اس طرح کی واضح صراحتوں کے باوجود نہ جانے کیوں بعض لوگ ایک ہاتھ سے مصافحہ کو یہود ونصاریٰ کی مشابہت قرار دیتے ہوئے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے والوں کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کے باب میں فقہاء ومحدثین کی مزید صراحتیں بھی کتب فقہ وشروحات حدیث کے اندر موجود ہیں بنظر اختصار انہیں چند وضاحتوں پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

آخر میں اس مسئلہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ کیا امام بخاری رحمہ اللہ دو ہاتھ سے مصافحہ کے قائل ہیں اور جو حدیث انہوں نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا ہے کیا وہ حدیث دو ہاتھ سے مصافحہ کی دلیل بن سکتی ہے؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: علمنى رسول الله صلى الله عليه وسلم – وكفى بين كفيه – التشهد" (بخاری، کتاب الاستئذان، باب الاخذ بالیدین برقم: ۶۲۶۵) رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد سکھایا اور میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، واضح ہو کہ اس حدیث کا تعلق ملاقات کے وقت مصافحہ سے نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تشہد سکھا رہے تھے اور اس تعلیم کے وقت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ اللہ کے

رسول ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھا۔ واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں تین ہاتھ سے مصافحہ لازم آرہا ہے اور اس طریقہ کے قائل دو ہاتھ سے مصافحہ کے قائلین بھی نہیں ہیں۔ دو ہاتھ سے مصافحہ کے قائلین دونوں طرف سے دونوں ہاتھ کے قائل ہیں۔

فقہاء احناف کی صراحتوں سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ مذکورہ صورت تعلیم وتنبیہ کے لئے تھی فقہ حنفی کی معروف کتاب ہدایہ کے حاشیہ میں یہ عبارت مذکور ہے: "أخذ ليكون حاضرا فلا يفوته شيء" (الھدایۃ: ۱/۹۳) آپ ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اس لئے پکڑا تا کہ ان کا دماغ حاضر رہے اور ان سے آپ ﷺ کی کوئی بات فوت نہ ہو جائے۔

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: "ومنها أنه قال فيه علمني التشهد وكفى بين كفيه ولم يقل ذلك في غيره فدل على مزيد الاعتناء والاهتمام" (نصب الرایۃ ۱/۴۲۱) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد پر راجح ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ نے مجھے تشہد سکھایا اور میری ہتھیلی آپ کی ہتھیلیوں کے درمیان تھی، یہ چیز مزید توجہ اور اہتمام پر دلالت کرتی ہے۔

یہاں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا پکڑنا مصافحہ کی غرض سے نہیں بلکہ اہتمام وتاکید اور توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے تھا تا کہ کوئی بات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ذہن سے غائب نہ ہو جائے۔

یہی بات مشہور ومعروف حنفی عالم مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''ابن مسعود والی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے وہ مصافحہ جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے مراد نہیں ہے بلکہ یہ ہاتھ میں ہاتھ لینا ویسا ہی ہے جیسا کہ بزرگ چھوٹوں کو کسی چیز کی تعلیم دیتے وقت ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ (مجموعہ فتاوی اردو ۱/۱۳۴)

تعلیم وتربیت کے وقت ہاتھ پکڑنے کی اور کئی روایتیں بھی کتب حدیث کے اندر موجود ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث اس طرح ہے: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال يا معاذ! والله! انى لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ! لا تدعن فى دبر كل صلاة تقول اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك" (ابوداود، الوتر، باب فی الاستغفار برقم: ۱۵۲۲، ومسند احمد ۵/۲۴۴) وصححہ الألبانی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا اے معاذ اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑنا: اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك۔

یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام کو کوئی بات سمجھانے اور ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کے لئے ان کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے۔ تعلیم وتربیت کی یہ خاص کیفیت فقہاء احناف کے اندر بھی پائی جاتی تھی۔

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی ہدایہ کی شرح کفایہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: وتاكيد التعليم فانه روى عن محمد بن الحسن أنه قال أخذ أبو يوسف بيدي وعلمني التشهد (وقال) أخذ أبو حنيفة بيدي فعلمني التشهد وقال أبو حنفية: أخذ حماد بيدي وعلمني التشهد وقال حماد: أخذ علقمة بيدي وعلمني التشهد وقال علقمة: أخذ ابن مسعود بيدي وعلمني التشهد وقال ابن مسعود: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدي وعلمني التشهد" (کفایہ شرح ہدایہ ۱/۵۹)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو تعلیم کی تاکید پر محمول کیا جائے گا اس لئے کہ محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: امام ابو یوسف نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا، ابو یوسف نے کہا: امام ابوحنیفہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا، امام ابوحنیفہ نے کہا: حماد بن ابی سلیمان نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا، حماد کہتے ہیں کہ: علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا، علقمہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا، ابن مسعود کہتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا۔

مذکورہ روایت میں ائمہ احناف کا ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر تشہد سکھانے کا مسئلہ اسی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل ہے گویا سب ائمہ نے اس حدیث کو طریقہ تعلیم پر محمول کیا۔ جسے اللہ کے رسول ﷺ نے مزید تاکید، اہتمام اور توجہ دلانے کے لئے اختیار کیا تھا۔ اس کا تعلق مروجہ مصافحہ سے قطعی نہیں ہے۔

آخر میں ہم اپنی بات کو اس حدیث پر ختم کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: "كان النبى صلى الله عليه وسلم يحب التيمن ما استطاع في شأنه كله في طهوره وترجله وتنعله" (البخاری، الصلاۃ، باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ برقم ۴۲۶ ومسلم، الطھارۃ، باب التیمن فی الطہور وغیرہ برقم ۶۱۷) آپ ﷺ اپنی استطاعت بھر اپنے تمام اہم امور مثلاً طہارت، کنگھی کرنے اور جوتا پہننے وغیرہ میں دایاں کو پسند فرماتے تھے، اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء احناف میں سے اہم ائمہ اور فقہاء مثلاً علامہ ابن عابدین شامی حنفی، علامہ بدرالدین عینی حنفی، علامہ ضیاء الدین حنفی وغیرہم نے اہم امور میں حتی کہ مصافحہ میں بھی دایاں ہاتھ بڑھانے کو مستحب ومسنون قرار دیا ہے جیسا کہ منقولہ عبارات سے واضح ہے۔ اللہ ہمیں حق کو پہچاننے اور اسے قبول کرنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

موسم سرما نفل روزوں کے لئے وقت غنیمت

عبدالولی عبدالقوی
داعی مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، الحائط، سعودی عرب

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريک له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله وبعد:

اسلام میں فرض روزوں کے بعد نفل روزوں کی انتہائی اہمیت ہے، اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ بکثرت نفل روزے رکھتے تھے اور اس کی ترغیب بھی دیتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی میں نفل روزے رکھتے تھے، خصوصا یہ موسم سرما نفل روزوں کے لئے بہترین وقت ہے جس میں بھوک و پیاس کی بہت زیادہ کلفت کے بغیر عظیم اجر وثواب حاصل کیا جاسکتا ہے، رسول اللہ ﷺ سے ان نفل روزوں کی فضیلت سے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں، ہم ذیل میں ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) روزہ دخول جنت کا ذریعہ ہے:

ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''مجھے کسی ایسے عمل کی راہ نمائی فرمائیے کہ میں اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہوجاؤں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے اوپر روزہ لازم کرلو کیوں کہ اس جیسی کوئی دوسری عبادت نہیں ہے۔'' (صحیح عند الالبانی) دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب ۱/۵۸۰)

(۲) اللہ نے روزہ دار کے لئے جنت میں باب الریان کو خاص کر رکھا ہے:

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جنت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے قیامت کے روز اس دروازے سے بجز روزہ داروں کے اور کوئی داخل نہ ہوسکے گا، کہا جائے گا روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ لوگ کھڑے ہوجائیں گے، اس دروازے سے ان کے سوا کوئی نہ داخل ہوگا جب وہ داخل ہوجائیں گے تو اسے بند کردیا جائے گا اور اس میں اور کوئی داخل نہ ہوسکے گا۔'' (بخاری ۱۸۹۶، مسلم ۱۱۵۲)

(۳) روزہ جہنم سے حفاظت کا ذریعہ ہے:

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزہ ڈھال ہے جس کے ذریعہ بندہ مسلم خود کو جہنم سے بچاتا ہے''۔ (حسن عند الالبانی) دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب ۱/۵۷۸)

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"اے کعب بن عجرۃ! نماز (ایمان کی) دلیل ہے روزہ (گناہوں سے بچنے کے لئے) مضبوط ڈھال ہے اور صدقہ وخیرات سے گناہ معاف ہوتے ہیں جس طرح پانی سے آگ بجھ جاتی ہے۔'' (ترمذی ۶۱۴، صحیح عند الالبانی، دیکھئے: صحیح الترمذی ۱/۳۳۶)

(۴) روزہ جہنم سے حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے:

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزہ (گناہوں سے بچنے کے لئے) ڈھال ہے اور جہنم سے (حفاظت کا) مضبوط قلعہ ہے۔'' (حسن عندالالبانی) دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب ۱/ ۵۷۸)

(۵) روزہ قیامت کے دن روزہ دار کے لئے سفارش کرے گا:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندہ کے لئے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور اپنی خواہشات (پوری کرنے) سے روکے رکھا، لہذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما، قرآن کریم کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس بندے کو رات میں (قیام کے لئے) سونے سے روکے رکھا، لہذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما، چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔'' (حسن صحیح عندالالبانی) دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب ۱/ ۵۷۹)

نفل روزوں کے اقسام:

نفل روزوں کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: مقید روزے: مقید روزوں سے مراد وہ روزے ہیں جن کے رکھنے کی احادیث میں ترغیب وارد ہے اور ان کے رکھنے کے لئے وقت یا زمانہ کی تحدید بھی کی گئی ہے مثلاً شش عیدی روزے، دوشنبہ اور جمعرات کے روزے وغیرہ جن کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے۔

دوسری قسم: غیر مقید روزے: غیر مقید روزوں سے مراد وہ روزے ہیں جن کے رکھنے کی احادیث میں ترغیب تو وارد ہے لیکن ان کے رکھنے کے لئے کسی وقت یا زمانہ کی تحدید نہیں کی گئی ہے۔

مقید روزے غیر مقید روزوں سے مؤکد اور افضل ہیں جس طرح مقید نفل نمازیں غیر مقید نفل نمازوں سے افضل ہیں۔ (دیکھئے: الشرح الممتع ۶/ ۴۶۲)

پہلی قسم: مقید نفل روزے:

ہم ذیل میں مقید نفل روزوں کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) شش عیدی روزے:

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر''.

''جو شخص رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے اسے عمر بھر کے روزوں کا ثواب ملتا ہے''۔ (مسلم ۱۱۶۴)

ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص عید الفطر کے بعد (شوال کے مہینہ میں) چھ روزے رکھے اس کو سال بھر کے روزوں کا ثواب ملتا ہے (اس لئے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها ﴾ (المائدۃ:۱۶۰) جو شخص نیک کام کرے اس کو اس کا دس گنا ملے گا۔" (صحیح عندالالبانی) دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۱/۲۸۶)

وضاحت: رمضان کے تیس اور شوال کے چھ روزے کل ۳۶ روزے ہوئے اور جب ۳۶ کو دس میں ضرب دیا جائے تو ۳۶۰ ہوئے، لہذا رمضان کے تیس اور شوال کے چھ روزے رکھنے والے کو ۳۶۰ یعنی سال بھر کے روزوں کا ثواب ملا اور اگر ہر سال باقاعدگی کے ساتھ یہ روزے رکھے جائیں تو عمر بھر کے روزوں کا ثواب ہو جائے گا۔

شوال کے چھ روزے لگاتار رکھے جائیں یا الگ الگ، مہینہ کے شروع میں یا آخر میں، اس میں کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ حدیث بغیر کسی پابندی کے مطلق وارد ہے۔ (الشرح الکبیر مع المقنع ۷/۵۲۱، سبل السلام ۲/۲۳۱)

(۲) عرفہ کے دن روزہ رکھنا:

حجاج کے علاوہ باقی لوگوں کے لئے عرفہ کے دن (نویں ذوالحجہ کو) روزہ رکھنا مستحب ہے۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عرفہ کے دن روزہ رکھنا میں اللہ سبحانہ وتعالی سے امید رکھتا ہوں کہ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کو ختم کر دے گا۔" (مسلم ۱۱۶۲)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس حدیث میں حجاج کے علاوہ کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی ترغیب ہے کہ جو اس دن روزہ رکھے اس کے دو سال کے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔" (شرح النووی علی صحیح مسلم ۸/۵۱)

(۳) ماہ محرم کا روزہ:

جن روزوں کا رکھنا مسنون ہے ان میں ماہ محرم کا روزہ بھی ہے، ماہ محرم کا روزہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ ہے۔

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"**أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم وأفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل**" "ماہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ کے مہینہ محرم کا روزہ ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل رات کی نماز (تہجد) ہے۔" (مسلم ۱۱۶۳)

(۴) عاشوراء (دسویں محرم) کا روزہ رکھنا:

ماہ محرم کے روزوں میں عاشوراء کے روزوں کی تاکید اور ان کی فضیلت وارد ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دور جاہلیت کے لوگ دسویں محرم کو روزہ رکھتے تھے اور رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی دسویں محرم کو روزہ رکھا لیکن جب ماہ رمضان کے روزے

فرض کردئے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان عاشوراء یوم من أیام الله فمن شاء صامه و من شاء ترکه".

عاشوراء (دسویں محرم) اللہ کے دنوں میں سے ایک دن ہے لہذا جو چاہے اس دن روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (مسلم ۱۱۲۶)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو یوم عاشوراء (دسویں محرم) کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو دریافت فرمایا: تم اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: یہ وہ مبارک دن ہے جس میں اللہ تبارک وتعالی نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دی تھی، تو اس کے شکریہ میں موسی علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: موسی علیہ السلام کی اتباع کا میں تم سے زیادہ حقدار ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری ۲۰۰۴، مسلم ۱۱۳۰)

رسول اللہ ﷺ سے عاشوراء کے روزہ کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالی سے امید ہے عاشوراء کے روزہ سے ایک سال کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ (مسلم ۱۱۶۲)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عاشوراء کے دن سے بڑھ کر کسی اور دن کے روزے اور ماہ رمضان سے بڑھ کر کسی اور مہینہ کو فضیلت دیتے ہوئے نہ دیکھا۔ (بخاری ۲۰۰۶، مسلم ۱۱۳۲)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عاشوراء (دسویں محرم) کو روزہ رکھا اور صحابہ کو اس کے روزہ کا حکم دیا، تو صحابہ کرام نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہود و نصاری اس دن کی تعظیم کرتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فاذا کان العام المقبل ان شاء الله صمنا الیوم التاسع" ان شاء اللہ ہم اگلے سال (دسویں محرم کے ساتھ) نویں محرم کو بھی روزہ رکھیں گے۔

لیکن اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ (مسلم ۱۱۳۴)

لہذا سنت یہ ہے کہ ہم یہود کی مخالف میں دو روزے رکھیں، دسویں محرم سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد اور اگر دسویں کے ساتھ نویں اور گیارہویں کا روزہ رکھا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ بعض روایات میں وارد ہے: "صوموا قبله یوما وبعده یوما" دسویں محرم سے ایک روز پہلے اور ایک روز بعد روزہ رکھو، رہا مسئلہ صرف دسویں محرم کو روزہ رکھنے کا تو یہ مکروہ ہے۔

(۵) ماہ شعبان میں بکثرت روزے رکھنا:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے یہاں تک کہ ہم یہ کہتے کہ آپ روزہ چھوڑیں گے ہی نہیں اور پھر کبھی مسلسل بلا روزہ کے رہتے اور ہمیں گمان ہوتا کہ آپ روزہ رکھیں گے ہی نہیں اور مجھے معلوم

نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی مہینہ میں پورے روزے رکھے ہوں اور شعبان کے علاوہ کسی مہینہ میں زیادہ روزے رکھے ہوں۔ (بخاری ۱۹۶۹، مسلم ۱۱۵۶)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان اور رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ میں لگاتار روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (صحیح عندالالبانی دیکھئے: صحیح الترمذی ۱/۳۹۱)

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ (کیا بات ہے کہ) کہ میں آپ کو جتنے دن شعبان میں روزے رکھتے ہوئے دیکھتا ہوں اتنا کسی اور مہینہ میں نہیں دیکھتا، آپ ﷺ نے فرمایا:

"ذلک شهر يغفل الناس عنه بين رجب و رمضان و هو شهر ترفع فيه الاعمال الى رب العالمين فأحب أن يرفع عملي و أنا صائم".

رجب اور رمضان کے درمیان یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ جس کی فضیلت سے لوگ غافل ہیں، یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں رب العالمین کی طرف اعمال اٹھائے جاتے ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں اٹھایا جائے کہ میں روزے سے رہوں۔ (حسن عندالالبانی دیکھئے: صحیح النسائی ۲۳۵۷)

(۶) دوشنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھنا:

ہر ہفتہ دوشنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوشنبہ اور جمعرات کے روزہ کو تلاش کرتے تھے۔ (صحیح عندالالبانی) دیکھئے: صحیح الترمذی ۷۴۵)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تعرض الأعمال يوم الاثنين و الخميس فأحب أن يعرض عملي و أنا صائم".

''بندوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں ہر دوشنبہ اور جمعرات کو پیش کئے جاتے ہیں، لہذا میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو اور میں روزے سے ہوں''۔ (صحیح عندالالبانی، دیکھئے: صحیح الترمذی ۱/۳۹۵)

(۷) ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا:

ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: کیا رسول اللہ ﷺ ہر ماہ تین دن کے روزے رکھا کرتے تھے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں، معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: مہینہ کے کون سے تین دن؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کوئی تین دن رکھ لیا کرتے تھے۔ (مسلم ۱۱۶۰)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل محمد ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی (۱) ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے کی

(۲) چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنے کی (۳) سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔ (بخاری ۱۹۸۱، مسلم ۷۲۱)

مستحب ہے کہ یہ تین روزے ایام بیض (یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ) کو رکھے جائیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"یا أبا ذر اذا صمت من الشهر ثلاثة أیام فصم ثلاث عشرة و أربع عشرة و خمس عشرة".

اے ابوذر! جب تم مہینہ کے تین روزے رکھنا چاہو تو تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کے روزے رکھا کرو۔ (حسن صحیح عند الالبانی، دیکھئے: صحیح الترمذی ۱/۴۰۲ ح ۷۶۱)

ملحان القیسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ایام بیض (یعنی چاند کی تیرہویں چودہویں اور پندرہویں تاریخ) کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ (ان کا ثواب) عمر بھر روزہ رکھنے کی طرح ہے۔ (صحیح عند الالبانی، دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۲/۴۶۴ ح ۲۱۱۵)

(۸) صوم داؤدی (ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا):

جس کے پاس طاقت ہو اس کے حق میں مستحب ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے جسے صوم داؤدی کہا جاتا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

".....اللہ کے یہاں سب سے پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، آپ ایک دن روزہ رکھتے اور دوسرے دن نہ رکھتے۔ (بخاری ۱۱۳۱، مسلم ۱۱۵۹)

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''داؤد علیہ السلام کے روزے سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں، وہ نصف زمانہ کا روزہ ہے ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن نہ رکھو۔'' (بخاری ۱۹۸۰)

آپ ﷺ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن نہ رکھو اس لئے کہ یہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ سب سے افضل روزہ ہے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔'' (بخاری ۱۹۷۶، مسلم ۱۱۵۹)

''لیکن یہ روزہ مشروط ہے کہ روزہ رکھنے سے بندہ کا جسم اس قدر کمزور نہ ہو جائے کہ وہ روزہ سے افضل اور بہتر چیز حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا نہ کر سکے، ورنہ روزہ ترک کرنا افضل ہے۔'' (الشرح الممتع ۶/۴۷۴)

(۹) موسم سرما میں بکثرت روزے رکھنا:

موسم سرما میں بکثرت روزے رکھنا مستحب ہے۔

عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الغنیمة الباردة الصوم فی الشتاء" بھوک و پیاس کی بہت زیادہ کلفت کے بغیر حاصل ہونے والا اجر موسم سرما کا

روزہ ہے۔(صحیح عندالالبانی، دیکھئے: صحیح الترمذی ۱/ ۴۱۸ ح ۷۹۷)

(۱۰) وہ شخص جس کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ ہو:

جس کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ ہو اس کے حق میں مستحب ہے کہ اس دن روزہ رکھ لے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپ جب گھر تشریف لاتے اور کھانے کے لئے کوئی چیز نہ ہوتی، تو آپ ﷺ روزہ کی نیت کر لیتے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں ایک روز رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، فرمایا: تمہارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز ہے؟ میں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تب میں روزہ سے ہوں، پھر آپ ﷺ دوسرے دن گھر میں تشریف لائے، تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کسی نے حیس بطور ہدیہ بھیجا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے دکھلاؤ، میں نے صبح روزہ کی حالت میں کی ہے، آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا۔[حیس: وہ کھانا جو کھجور، گھی اور پنیر سے ملا کر بناتے ہیں](مسلم ۱۱۵۴)

ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"**الصائم المتطوع أمير نفسه ان شاء صام و ان شاء أفطر**" نفلی روزہ رکھنے والا خود کا امیر ہے چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو توڑ دے۔

(صحیح عندالالبانی، دیکھئے: صحیح الجامع ۳۸۵۴)

علامہ عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"مذکورہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نفلی روزہ رکھنے والے پر لازم نہیں ہے کہ روزہ شروع کرنے کے بعد وہ اسے پورا ہی کرے اور اگر توڑ دے تو اس پر اس کی قضا لازم نہیں ہے۔" (فیض القدیر ۴/ ۲۳۱)

(۱۱) وہ نوجوان جو اپنے بارے میں زنا سے ڈرے وہ روزہ رکھے:

وہ نوجوان جسے شہوت جماع پریشان کر رکھی ہو لیکن مالی بحران کی وجہ سے وہ شادی کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کے حق میں مستحب ہے کہ روزہ رکھے کیوں کہ روزہ سے شہوت جماع کمزور ہوتی ہے۔

عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"**يا معشر الشباب من استطاع منكم الباء ة فليتزوج فانه أغض للبصر و أحصن للفرج و من لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء**".

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہو وہ شادی کر لے، کیوں کہ شادی سے نگاہ نیچی رہتی اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے اور جو (مالی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) شادی کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کیوں کہ روزہ اس کے لئے ڈھال ہے۔(بخاری ۱۹۰۵، ۵۰۶۵، مسلم ۱۴۰۰)

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: "مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو شادی کی

ترغیب دی ہے تا کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھ سکیں اور شرمگاہ کی حفاظت کر سکیں، لیکن جس کو مالی فقدان کی وجہ سے شادی کی طاقت نہ ہو اور وہ اپنے بارے میں زنا کاری کا ڈر محسوس کرتا ہو وہ روزہ رکھ کر شہوت جماع سے دفاع کرے۔'' (شرح البخاری لابن بطال ۷/ ۲۹)

دوسری قسم: غیر مقید نفل روزے:

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی (نفل) روزہ نہ رکھتے یہاں تک کہ ہمیں گمان گزرتا کہ آپ اس مہینہ میں روزہ رکھیں گے ہی نہیں اور کسی مہینہ لگا تار روزے رکھتے ہمیں خیال آتا کہ آپ روزہ چھوڑیں گے ہی نہیں اور تم رات کو جب بھی آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے اور سوئے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے۔ (بخاری ۱۱۴۱)

حمید بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کی بابت پوچھا، تو انھوں نے کہا: میں آپ ﷺ کو روزہ کی حالت میں دیکھنا چاہتا تو دیکھ لیتا اور افطار کی حالت میں دیکھنا چاہتا تو دیکھ لیتا اور (اسی طرح) رات کو سوتے جاگتے جس حالت میں دیکھنا چاہتا دیکھ لیتا اور کوئی حریر و دیباج (کاٹکڑا) رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے نرم اور کسی بھی مشک و عنبر کی خوشبو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر نہ تھی۔ (بخاری ۱۹۷۳)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لگا تار روزے رکھتے رہتے یہاں تک کہ لوگ کہتے کہ آپ روزہ رکھنا نہیں چھوڑیں گے اور آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے یہاں تک کہ لوگ کہتے کہ آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔ (صحیح عند الالبانی) دیکھئے: صحیح النسائی ۱/ ۱۹۹ ح ۲۳۴۷)

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مذکورہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نفلی روزوں اور نماز تہجد کی بابت رسول اللہ ﷺ کا حال مختلف ہوتا تھا چنانچہ آپ نفل روزے کبھی مہینہ کے شروع، کبھی بیچ اور کبھی آخر میں رکھتے تھے جیسا کہ نفل نمازیں کبھی رات کے شروع، کبھی بیچ اور کبھی آخر شب میں پڑھتے تھے، لہذا اگر کوئی شخص ایک دو مرتبہ کا مراقبہ کرتا تو کسی نہ کسی مرتبہ آپ کو روزہ اور نماز کی حالت میں پا جاتا، یہی مفہوم ہے مذکورہ حدیث کا: ''کہ تم جب رات میں آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے اور سوئے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے اور جب روزہ کی حالت میں دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے'' یہ مراد نہیں ہے کہ آپ برابر روزہ ہی رکھتے تھے اور پوری رات نماز ہی پڑھتے تھے۔'' (عمدۃ القاری ۱۱/ ۶۸، فتح الباری ۴/ ۲۵۵)

امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''مذکورہ احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مسلم کے لئے مستحب ہے کہ اس کا کوئی مہینہ بلا روزہ نہ گزرے اور نفل روزوں کے لئے کسی مخصوص وقت کی تعیین نہیں ہے بلکہ عیدین اور ایام تشریق کے علاوہ سال کے کسی بھی وقت میں رکھے جا سکتے ہیں۔'' (شرح النووی علی صحیح مسلم ۸/ ۳۷)

اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سنت رسول کی اتباع میں بکثرت نفل روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔☆

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

تحریر: طارق اسعد/ فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

اللہ رب العالمین نے نبی اکرم جناب محمد ﷺ کو جن عمدہ صفات اور اعلی اخلاق سے متصف کیا تھا ان میں سے ایک خاص صفت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ سارے جہان والوں کے لیے رحمت وشفقت اور رافت ومودت کا پیکر بے مثال تھے۔ آپ کی رحمت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر تھا اور اس دائرے میں صرف مسلمان، مومن، یا انسان نہ تھے بلکہ اس کے اندر اس قدر وسعت اور ہمہ گیری تھی کہ رحمت نبوی نے اپنی آغوش میں تمام عالم کو سمیٹ لیا تھا اور جملہ بنی نوع انسان کے علاوہ حیوانات، چرند وپرند حتی کی جمادات بھی اس چشمہ تر سے فیض یاب ہو رہے تھے، اسی صفت رحمت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے:

''**وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين**''(الانبیاء، ۱۰۷)

ہم نے آپ کو سارے جہان والوں کے لیے سرتاپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ''**كان خلقه القرآن**''یعنی آپ کے اخلاق قرآن مجید کی تعلیمات کا جیتا جاگتا ثبوت تھے، نیز قرآن مجید میں آپ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کو مختصر ترین جملے میں بیان کیا گیا ہے، لیکن درحقیقت اس کی معنویت بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے'' **وإنك لعلى خلق عظيم**''یعنی آپ اخلاق حسنہ کے عظیم المرتبت مقام پر فائز ہیں۔

واضح رہے کہ اخلاق ایک ہمہ گیر اور کثیر المعانی صفت ہے اور یہ ایسی کلی ہے جس کے تحت بہت ساری جزئیات متفرع ہوتی ہیں، فی الوقت نبی کریم ﷺ کے اخلاق کا ایک اہم جزو''رحمت'' ہمارے پیش نظر ہے، جسے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کی روشنی میں اور مختلف واقعات کے تناظر میں ان شاء اللہ ہم ذکر کریں گے۔

مکی زندگی میں آپ ﷺ پر جس طرح سے مصائب کے پہاڑ توڑے گئے، آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اسلام لانے کی پاداش میں جو تکلیفیں پہنچائی گئیں اور جس طرح سے اسلام کے اس ہراول دستے پر ظلم وستم اور جبر وقہر کی بارش برسائی گئی، اس کی داستان بجائے خود نہایت ہی المناک، دردناک اور اذیت ناک ہے، لیکن بایں ہمہ نبی کریم ﷺ کی رحمت وشفقت کا سرچشمہ اپنے عروج پر نظر آتا ہے اور اس چشمہ سخاوت کی فیاضی میں کوئی کمی نہیں نظر آتی ہے۔

مکی زندگی کا وہ واقعہ ہمارے پیش نظر ہے کہ جب آپ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کی غرض سے طائف کا رخ کیا اور وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی تو اہل طائف نے بجائے آپ کی بات پر کان دھرنے اور آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کے، آپ ﷺ کے ساتھ نہایت ہی شرمناک معاملہ کیا، وہاں کے شرپروں نے نبی ﷺ پر پتھروں کی بارش کی جس کے سبب آپ کا پاؤں لہولہان ہو گیا، اگر آپ ﷺ درد کے مارے کہیں بیٹھ بھی جاتے تو وہ لوگ بازو تھام کر اٹھا دیتے اور سر پر پتھر مارتے

اور گالیاں دیتے، بالآخر آپ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے کہ اسی دوران ایک فرشتہ نمودار ہوا اور اس نے خدا کا پیغام سنایا کہ اگر آپ حکم دیں تو طائف والوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان رکھ کر پیس دیا جائے جس سے وہ کچل کر رہ جائیں، لیکن نبی ﷺ نے ایذا دہندگان کے لیے بددعا کرنے سے انکار کیا اور عرض کیا کہ خدایا! ایسا نہ کر، ممکن ہے کہ ان کی نسل سے کوئی تیرا ماننے والا پیدا ہو۔ (رحمت عالم، سید سلیمان ندوی، ص: ۴۵)

معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ ابن عبد یالیل جس کے خاندان نے طائف میں آپ کے ساتھ یہ مظالم کیے تھے، جب طائف کا وفد لے کر آتا ہے تو آنحضرت ﷺ اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اتارتے ہیں، ہر روز نماز عشاء کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں اور پھر اپنی رنج بھری مکہ کی داستان سناتے ہیں، کس کو؟ اس کو جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور آپ کو ذلیل کیا تھا۔ (خطبات مدراس از سید سلیمان ندوی، ص: ۱۲۳)

سلوک بد سے پیش آئے کسی سے، ہے یہ ناممکن انہی کی مدح میں دشمن کو بھی رطب اللسان دیکھا

رحمت نبوی کا سب سے اعلیٰ نمونہ اور شفقت و رافت کا جیتا جاگتا مظہر فتح مکہ کے موقع پر دیکھنے کو ملتا ہے، اس وقت نبی کریم ﷺ کا عفو و درگذر اپنے پورے شباب پر نظر آتا ہے، صلح و آشتی اور امن عام کا یہ نظارہ تاریخ نے کبھی دیکھا تھا اور نہ مستقبل میں اس کی کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت سید سلیمان ندوی کی زبانی رحمت و شفقت اور عفو و درگزر کی اس مثل اعلیٰ کو ملاحظہ فرمائیں، سید صاحب لکھتے ہیں:

''مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں، کس حرم کے صحن میں؟ جہاں آپ کو گالیاں دی گئیں، آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں، آپ ﷺ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ ﷺ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا، ان کے سینے چاک کیے تھے اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کیے تھے، وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے، ان کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے، ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے ان کے بدن کو چھیدتے تھے، آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے، دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، دفعتاً زبان مبارک کھلتی ہے، سوال ہوتا ہے، قریش بتاؤ! میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ جواب ملتا ہے ''محمد تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے'' ارشاد ہوتا ہے'' آج میں تم سے وہ کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا کہ'' **لاتثریب علیکم الیوم**،'' آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ ''اذھبوا فانتم الطلقاء'' جاؤ تم سب آزاد ہو۔'' (خطبات مدراس، ص: ۱۲۳-۱۲۴)

ہبار بن الاسود جس نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کو ان کی ہجرت کے موقع پر ایسا کچوکا مارا تھا کہ وہ ہودج سے ایک چٹان پر جا گری تھیں اور اس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا اور یہی صدمہ ان کی موت کا باعث بھی بنا تھا ، فتح مکہ کے موقع پر یہ مکہ سے فرار ہو گئے تھے، نیز نبی کریم ﷺ نے جن لوگوں کو ہر حال میں قتل کا حکم دیا تھا ان میں سے یہ بھی تھے۔لیکن یہ جب دربار نبوی میں حاضر ہو کر معافی کے خواستگار ہوتے ہیں تو رحمت نبوی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور آپ ﷺ اپنی بیٹی کے اس مجرم کو بھی معاف فرما دیتے ہیں۔(الرحیق المختوم،ص:۵۵۳)

صفوان بن امیہ جس نے عمیر کو آپ ﷺ کے قتل کے لیے بھیجا تھا اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل وعیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں، ان کے خون کو بھی آپ نے مباح فرمایا تھا، یہ اس خوف سے مکہ چھوڑ کر جدہ فرار ہو گئے تھے، لیکن نبی کریم ﷺ نے نہ صرف ان کو امان دی بلکہ بطور نشانی آپ نے اپنا عمامہ بھی ان کو مرحمت فرمایا، یہ بھی جب دربار نبوی میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے دو ماہ کی مہلت طلب کرتے ہیں تو آپ ﷺ ان کو چار ماہ کی مہلت دیتے ہیں لیکن مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی یہ حلق بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔(خطبات مدراس،ص:۱۲۰،۱۲۱)

ایک مرتبہ ایک درخت کے نیچے آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے کہ اسی دوران ایک شخص نمودار ہوا اور تلوار نکال کر آپ کو بڑی گستاخی کے ساتھ جگایا اور بولا کہ بتاؤ! اب تم کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ! وہ شخص چکر کھا کر گر پڑا، آنحضرت ﷺ نے تلوار اٹھالی فرمایا اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟ وہ حیران ہو گیا، لیکن آپ نے فرمایا جاؤ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔(رحمۃ للعالمین، ج۱،ص:۲۶۷)

جنگ وجدال کا معاملہ ایسا ہے کہ آدمی میدان کارزار میں خود کو قابو میں نہیں رکھ پاتا اور مفتوح قوم پر غلبہ پانے کے بعد وہ اس سے انتقام لینے اور اسے تہہ تیغ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتا، رحمت وشفقت اور عدل وانصاف جیسے الفاظ تو میدان جنگ میں تلاش کرنے سے نہیں ملتے۔لیکن نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر بھی رحمت ومروت کا وہ اعلی نمونہ پیش کیا جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔مولانا قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

''رحمۃ للعالمین وہ ہے جو خونخوار لڑائیوں کو بند کراتا ہے، حکمرانی کی آرزو یا توسیع ملک کی تمنا یا غلبہ قوت کے اظہار یا جوش انتقام کے وفور کے اصول پر لڑائی کرنے کو قطعا ممنوع ٹھہراتا ہے، وہ جنگ کو صرف مظلوم کی امداد کا آخری ذریعہ، عاجزوں، درماندوں، عورتوں، بچوں کو ظالموں کے ہاتھ سے چھڑانے کا وسیلہ، مذاہب مختلفہ اور ادیان متعددہ میں عدل وتوازن قائم کرنے کا آخری حیلہ بتاتا ہے، دنیا کا رحمدل سے رحمدل شخص بھی ان اصولوں کے لیے لڑائی کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا اور معمولی سمجھ کا انسان بھی ایسی لڑائی کو سراپا رحمت کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کر سکتا۔'' (رحمۃ للعالمین، ج۲،ص:۳۲۱)

نبی کریم ﷺ کی شفقت ورحمت کا محور صرف انسان ہی نہیں تھے، بلکہ آپ کے آغوش رحمت میں حیوانات وچرند پرند بھی داخل تھے اور برابر آپ کے چشمہ رحمت سے سیرابی حاصل کر رہے تھے۔ایک مرتبہ ایک صحابی نے ایک پرندے کا انڈا اٹھا

لیا جس کی وجہ سے چڑیا بے قرار ہوکر پر مارنے لگی، آپ ﷺ نے پوچھا کس نے اس کا انڈا لیا ہے اور اس کو دکھ پہنچایا ہے؟ اس صحابی نے کہا کہ یارسول اللہ! میں نے یہ کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ اسے وہیں رکھ دو۔ (رحمت عالم، ص:۱۹۳)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے زمین کو چاٹ رہا ہے، وہ شخص کنوئیں میں اترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھگو کر کتے کو پلایا، خدا نے اس شخص کے اس عمل کو قبول کر کے اسے بخش دیا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا حیوانات کے لیے بھی ہم کو اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر ایک جاندار جس کے کلیجہ میں نم ہے (جو زندہ ہے) کے متعلق تم کو اجر ملے گا۔ (رحمۃ للعالمین، ج:۱، ص:۲۷۴)

مولانا قاضی سلیمان منصور پوری صاحب فرماتے ہیں:

حضور کی رحمت کا فیض طیور وحوش اور مراکب ومواشی کو بھی پہونچا، جن کے ذبح وشکار کے قواعد اور تغذیہ وتربیت کے متعلق احکام نافذ فرمائے گئے" (رحمۃ للعالمین، ج:۳، ص:۱۸۳)

آپ ﷺ نے نہ صرف اپنی عملی زندگی میں رحمت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور پیکر شفقت ورافت کی عمدہ مثال پیش کی بلکہ مسلمانوں کو بھی عفو ودرگزر اور رحمت مروت کی تعلیم دی۔ مندرجہ ذیل نصوص میں غور فرمائیں:

☆ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:۱، ص:۳۱۰)

☆ آپ ﷺ نے فرمایا "شہ زور وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دے، شہ زور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو تھام لیتا ہے۔ (بخاری)

☆ آپ ﷺ نے فرمایا "جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔" (سیرت ابن اسحاق، ج:۱، ص:۲۷۱)

☆ آپ ﷺ نے اللہ کے ساتھ معاہدہ کیا کہ جس شخص کو میں گالی دوں یا لعنت کروں وہ گالی اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ، رحمت وبخشش اور قرب کا ذریعہ بنادی جائے۔ (رحمۃ للعالمین، ص:۲۶۴)

مظاہر تھے یہ سارے رحمت للعالمینی کے کرشمے تھے یہ سب بس آپ کی لطف آفرینی کے

خلاصہ کلام یہ کہ نبی کریم ﷺ کی رافت ورحمت اور شفقت ومودت کا سرچشمہ نہایت ہی فیاض اور شاداب ہے، اس بحر ناپیدا کنار کی شناوری محال ہے۔ آپ کی حیات کے مختلف گوشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، بالخصوص مخالفین پر غلبہ پانے کے بعد بھی آنحضور ﷺ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور جس طرح سے ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ واضح رہے کہ عفو کی صورت اسی وقت متحقق ہوتی ہے جب جرم ثابت ہو اور مجرم کو سزا دینے کی طاقت بھی حاصل ہو پھر بھی اسے معافی دی جائے۔ سیرت نبوی کے مختلف ادوار میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں جن میں سے مشتے نمونہ از خروارے چند کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے ☆

زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

(آخری قسط) محمد غفران بن عبید الرحمٰن/فضیلت سال دوم

اسلام کے نزدیک غربت وافلاس محبوب نہیں:

کیا اسلام غربت وافلاس کو پسند کرتا ہے؟ اور اپنے ماننے والوں کو مال ودولت حاصل کرنے سے منع کرتا ہے؟ جیسا کہ تنگ خیال اور قدامت پسند لوگوں کا نظریہ ہے جنہوں نے دشمنان اسلام کو یہ الزام لگانے کا موقع دیا کہ اسلامی تعلیمات ترقی کے منافی ہیں اور یہ محض آخرت کا دین ہے دنیا سے اس کو کوئی مطلب نہیں۔

اس الزام کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس دنیا میں اگر کوئی ایسا مذہب ہے جو دنیا وآخرت دونوں جہانوں کا مذہب کہلانے کا مستحق ہے تو وہ صرف مذہب اسلام ہے، جو اپنے ماننے والوں کو اس بات کی بھی ترغیب دلاتا ہے کہ تم اپنے دنیوی حصہ کو حاصل کرنا نہ بھولو، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿ولا تنس نصيبك من الدنيا﴾ (۱) اس کے علاوہ قرآن کی متعدد آیات کسب معاش کی ترغیب پر دلالت کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿فإذا قضيت الصلاة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله﴾ (۲) یعنی: پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ (جونا گڈھی) اسی طرح امت مسلمہ کو جو دعا سکھلائی گئی اس میں آخرت کی بھلائی کے ساتھ دنیا کی بھلائی کا بھی سوال ہے: " ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار " (۳) اور خود اللہ کے رسول ﷺ فقر وفاقہ اور تنگی سے پناہ مانگتے تھے: "اللهم إني أعوذبك من الفقر". (۴)

ان تمام نصوص سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ اسلام غربت وافلاس کو ناپسند کرتا ہے اور جائز طریقہ سے مال ودولت حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔

زوال امت کے مختلف اسباب وعوامل:

سابقہ بحث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جب تک امت مسلمہ احکام شریعت پر عمل کرتی رہی، دین کو دنیا پر ترجیح دیتی رہی اور اتحاد واتفاق کا عملی نمونہ پیش کرتی رہی اس وقت تک اس کا ستارہ بام عروج پر تھا، مشرق سے مغرب تک اسی کی طوطی بولتی تھی اور دشمن صرف نام سن کر لرز اٹھتے تھے، لیکن جب احکام الٰہی سے سرتابی کی اور کتاب وسنت کو پس پشت ڈال دیا تو پھر ذلت ورسوائی مقدر بن گئی اور وہ عروج سے زوال کی طرف بڑھتی چلی گئی، زندگی کے ہر شعبہ میں ادبار وانحطاط کا شکار ہوئی، علم وعمل کے ہر میدان میں پیچھے ہوگئی اور دشمنان اسلام کی سازشوں کا شکار بن کر رہ گئی۔

(۱) سورۃ القصص: ۷۷ (۲) سورۃ الجمعۃ: ۱۰

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲۰۱ (۴) سنن النسائی: کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من الذلۃ (۵۴۶۰) وصححہ الألبانی رحمہ اللہ

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا(۱)

اب آیئے اختصار کے ساتھ ان اسباب وعوامل کا جائزہ لیا جائے جو مسلمانوں کے زوال کا باعث ہوئے اور جن کی وجہ سے یہ امت آسمان کی بلندی سے زمین کی پستی میں چلی گئی۔

☆بندۂ مومن کا زوال عقائد کے اعتبار سے:

کسی بھی قوم کا عروج اس کے عقائد پر موقوف ہے کہ جس قدر وہ اپنے عقائد میں مضبوط اور قوی ہوتی ہے اسی طریقہ پر وہ ترقی کے منازل طے کرتی ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جن کے ایمان وعقیدہ میں کسی قسم کا کوئی بگاڑ نہیں تھا نتیجتاً وہ اوج ثریا پر مقیم ہوئے، لیکن جب کوئی قوم ایمان وعقیدہ میں بگاڑ کا شکار ہوتی ہے تو پھر وہ عروج سے زوال کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے، ذیل میں عقائد کے اعتبار سے امت مسلمہ کے زوال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱-کفریہ کلمات کا استعمال:- آج مسلمانوں کے اندر یہ وبا بالکل عام ہوگئی ہے جبکہ یہ نواقض ایمان میں سے ہے جس سے سختی سے منع کیا گیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: " وإن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالا يهوي بها في جهنم "(۲) یعنی: اور کوئی آدمی ایسی بات کہتا ہے جس سے اللہ خفا ہو جاتا ہے اور وہ شخص اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کرتا حالانکہ اس کی وجہ سے جہنم میں جا گرتا ہے۔

۲-شرک اصغر کا رواج:- اللہ کے رسول ﷺ نے اسی قبیح عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "إن أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر، قالوا: ما الشرك الأصغر يا رسول الله؟ قال: الرياء "(۳) یعنی: میں تم پر سب سے زیادہ شرک اصغر سے ڈرتا ہوں، لوگوں نے کہا: شرک اصغر کیا ہے؟ اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ریا۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "من سمع سمع الله به ومن رائ رائ الله به "(۴) یعنی: جو شخص دکھلاوے کے لیے کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ اسے قیامت کے دن رسوا کردے گا اور جو کوئی ریا کاری کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے چھپے عیبوں کو ظاہر کردے گا۔

ان دونوں احادیث کو سامنے رکھ کر امت مسلمہ کا جائزہ لیں تو ہر خاص وعام اس (ریا) کے شکار نظر آئیں گے کیونکہ اس مرض نے بالکل وبا کی شکل اختیار کر لی ہے جس کی بنا پر ایمان میں زبردست انحطاط طاری ہوا اور یہ امت زوال کی طرف

(۱) کلیات اقبال: بانگ درا ص ۲۰۷
(۲) صحیح البخاری: کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان (۶۴۷۸) ص ۱۱۲۳
(۳) مسند احمد بن حنبل: (۲۳۶۳) ۳۹/۳۹ وحسنہ شعیب الارناؤوط رحمہ اللہ، وصححہ الالبانی رحمہ اللہ فی "الجامع الصغیر" (۱۵۵۵) ۱/۳۲۳
(۴) صحیح البخاری: کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ، وصحیح مسلم: کتاب الزھد، باب تحریم الریاء۔

گامزن ہوگئی۔

۳-نفاق کا عام ہونا:- اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:" أربع من كن فيه كان منافقا خالصا ومن كان فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها إذا اؤتمن خان وإذا حدث كذب وإذا عاهد غدر وإذا خاصم فجر"(۱) یعنی چار خصلتیں جس کسی میں ہوں تو وہ خالص منافق ہوگا اور جس کسی میں ایک خصلت ہوگی تب بھی اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اس کو ترک کردے، جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کہے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو توڑ ڈالے اور جب جھگڑے تو گالی دے۔

اس حدیث کو سامنے رکھ امت مسلمہ کا جائزہ لیا جائے تو وہ ساری خرابیاں ان کے اندر نظر آتی ہیں اور اس خطرناک مرض میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے اہل علم وفقیہ بھی ملوث نظر آتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ جو شخص یہ کام نہیں کرتا اس کو بیوقوف اور ناتجربہ کار سمجھتے ہیں، پس جس قوم کا یہ نظریہ ہو تو پھر وہ کیوں کر ترقی کرسکتی ہے!

۴-بدعات کا رواج:- یہ بھی زوال کا ایک سبب ہے جو کہ امت مسلمہ کو اپنی چپیٹ میں لئے ہوئے ہے، جس کی وجہ سے مسلمان اسلام کی صحیح تعلیمات سے دور ہوگئے اور ضلالت وگمراہی کے دلدل میں پھنس گئے حالانکہ نبی ﷺ نے اس سے متنبہ کیا تھا:"وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة"(۲) یعنی: سب سے برا کام دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

☆بندۂ مومن کا زوال عبادات کے اعتبار سے:

انسان کی نجات اور فوز وفلاح دو چیزوں پر مبنی ہے ایک ایمان اور دوسری عمل صالح یعنی عبادات اور یہ دونوں لازم وملزوم ہیں کیونکہ عبادت ہی کے ذریعہ بندہ اللہ کا تقرب حاصل کرسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے استخلاف فی الارض کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح یعنی عبادت ہی پر موقوف ہے: ﴿وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم﴾ (۳) لیکن افسوس کہ امت مسلمہ عبادات کے باب میں بھی زوال کا شکار ہوگئی، ذیل میں انہی باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱-فرائض وواجبات سے غفلت:- یہ بھی منجملہ اسباب زوال امت میں سے ایک ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر قائم ہے ان میں کلمۂ شہادت کے بعد بقیہ چار (نماز، روزہ، زکوۃ اور حج) کا تعلق فرائض وواجبات ہی سے ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ مسلمان جب اپنی بنیادی عبادات کو ہی ترک کردے اور اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دے تو پھر ان کو عروج

(۱) صحیح البخاری: کتاب الایمان، باب علامات المنافق (۳۴) ص:۹، وصحیح مسلم: کتاب الایمان، باب خصال المنافق (۲۱۰) ص:۴۶

(۲) صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ (۲۰۰۵) ص:۳۴۷

(۳) سورۃ النور:۵۵

کیسے مل سکتا ہے؟ جب کہ کتاب وسنت میں جا بجا ان کی ادائیگی پر تاکیدی حکم ہے، چنانچہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے: ﴿وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة واركعوا مع الراكعين﴾ (۱) یعنی: اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (جونا گڈھی) ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (۲) یعنی: اللہ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔ (جونا گڈھی)

ان واضح فرامین کے ہوتے ہوئے بھی مسلمان ان کی ادائیگی سے کوسوں دور ہیں جس کے نتیجہ میں وہ ذلت ورسوائی سے دوچار ہیں اور زوال کا شکار ہیں۔

۲-امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ترک کر دینا:- جب تک مسلمانوں کے اندر اس فریضہ کا احساس باقی تھا وہ ترقی کے منازل طے کرتے رہے لیکن جب اس فریضہ کو ترک کر دیا تو وہ زوال کی طرف بڑھتے چلے گئے حالانکہ اس امت کا دوسری امتوں پر فضیلت وفوقیت کا ایک سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی تھا، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾ (۳) یعنی: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

لیکن جب یہ سبب بھی عنقا ہو گیا تو وہ خوبی بھی ختم ہو گئی جس کی بنا پر اس امت کو فوقیت وبرتری حاصل تھی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ امت پستی کی طرف گرتی چلی گئی۔

۳-ترک جہاد:- اہل اسلام کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے باطل قوتوں سے نبرد آزما رہنے کا حکم دیا گیا، فرمان الٰہی ہے: " وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله" (۴) یعنی: اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فسادِ عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ (جونا گڈھی)

جب تک امت مسلمہ اس اہم فریضہ کو ادا کرتی رہی ہمیشہ غالب رہی لیکن جب اسے ترک کر دیا اور خانہ جنگی وفتنہ وفساد میں مشغول ہو گئی تو پھر باطل قوتیں اس پر ٹوٹ پڑیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ کل تک جو قوم حاکم تھی وہ محکوم بن کر رہ گئی اور زوال کا شکار ہو گئی اور آج اس کی حالت یہ ہے کہ دشمنان اسلام اس پر حملے کے لیے جنگی آلات ومادی وسائل سے لیس ہیں لیکن یہ قوم سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں اتنا پیچھے ہے کہ اپنی دفاع کے لیے بھی ہتھیار تیار کرنے سے عاجز ہے اور مادی وسائل کے حصول میں دشمن ممالک کی محتاج ہے جبکہ قرآن کریم میں اس جانب بھی ہماری توجہ مبذول کرائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم" (۵) یعنی: تم ان (کافروں) کے مقابلہ کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے

(۱) سورۃ البقرۃ:۴۳ (۲) سورۃ البقرۃ:۱۸۳
(۳) سورۃ آل عمران:۹۷ (۴) آل عمران:۱۱۰ (۵) سورۃ الانفال:۳۹

(فراہم کرنے) کی تیاری کرو کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے ساتھ اوروں کو بھی۔ (جونا گڈھی)

"وأعدوا لهم ما استطعتم" کے تحت آج کل کے جنگی ہتھیاروں (مثلاً: میزائل، ٹینک، بم، جنگی جہاز اور آبدوزیں وغیرہ) کی تیاری نہایت ضروری ہے۔(۱)

۴-تعلیمی پسماندگی:- مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ تعلیمی میدان میں سب سے پچھڑی قوم آج مسلم قوم ہے، جس کی دینی تعلیم سے دوری کا یہ عالم ہے کہ ان میں سے کئی لوگ دین کے بنیادی اصول وقواعد سے بھی ناواقف ہیں اور بعض تو اتنے گرے ہوئے ہیں کہ اپنے رسول کا نام تک نہیں جانتے اور رہی بات عصری تعلیم کی تو سچر کمیٹی کی رپورٹ سے ثابت ہو گیا کہ ہماری تعلیمی ناخواندگی ہریجنوں سے آگے بڑھ چکی ہے، پس جب کسی قوم کی تعلیمی صورت حال اس قدر ناگفتہ بہ ہو تو پھر وہ کیوں کر ترقی کر سکتی ہے؟ جبکہ سارے مذاہب میں سب سے زیادہ تعلیمی رغبت دلانے والا مذہب اگر کوئی ہے تو وہ مذہب اسلام ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: "طلب العلم فريضة على كل مسلم"(۲) یعنی: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

۵-حدود وجنایات کا ترک کر دینا:- جب تک اس امت کے امراء وسلاطین بلا کسی فرق وامتیاز اور بھید بھاؤ کے اسلامی حدود وجنایات کا نفاذ کرتے رہے اور حدود الٰہی کی پاسداری کرتے رہے اس وقت تک وہ غالب رہے اور ان کی عظمت وشوکت اور قوت وسطوت قائم رہی اور دنیا کی ترقی یافتہ قوموں میں سب سے فائق وبلند رہے لیکن جب عیش پرستی میں مبتلا ہو کر حدود وجنایات سے چشم پوشی اختیار کی اور احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اعدائے اسلام کو مسلط کر دیا اور یہ امت خود ساختہ سزاؤں میں محبوس ہو کر رہ گئی اور ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن گئی۔

جب کہ کتاب وسنت میں جا بجا حدود اللہ کے نفاذ کا حکم دیا گیا ہے اور روگردانی کی صورت میں ہلاکت وبربادی سے دوچار ہونے کی خبر دی گئی ہے، فرمان نبوی ہے: "إنما أهلك الذين قبلكم إنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد"(۳) یعنی: تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک کر دی گئیں کہ اگر ان میں سے کوئی مالدار چوری کرتا تو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور غریب چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ لیکن اس کے باوجود اس امت نے اسلامی حدود وجنایات کو ترک کر کے دنیاوی خود ساختہ سزاؤں کو لائحہ عمل اور دستورِ حیات بنا لیا نتیجتاً یہ امت تباہی وبربادی کے دہانے پر جا کھڑی ہوئی اور زوال سے قریب تر ہوتی چلی گئی۔

---

(۱) سورۃ الانفال: ۶۰

(۲) تفسیر احسن البیان: سورۃ الانفال: ۶۰، ص ۵۲۶

(۳) صحیح البخاری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب (۳۴۷۵) وصحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ (۴۴۱۰)

☆بندۂ مومن کا زوال اخلاقی اعتبار سے:

حسن اخلاق کے اثرات زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہوتے ہیں اور اس کے ذریعہ دنیا کے بڑے سے بڑے معاملات کو آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے کیونکہ جس قوم نے بھی اخلاق حسنہ کو اپنی زندگی کا لازمی جزو بنایا تاریخ شاہد ہے کہ وہ قوم ہمیشہ کامیاب رہی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قوم نے اخلاق حسنہ کو ترک کیا تو رفتہ رفتہ وہ قوم زوال پذیر ہوگئی، یعنی کسی قوم میں اخلاق حسنہ کا وجود اس کی ترقی کی دلیل ہوتی ہے، اسی لیے اسلام نے اخلاق حسنہ کو کمالِ ایمان کے لیے بنیادی شرط قرار دیا: "أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا" (۱) یعنی: مسلمانوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں۔

لیکن افسوس کہ امت مسلمہ سے یہ صفاتِ عالیہ بھی عنقا ہوگئیں جن کو اپنا کر ہمارے اسلاف عروج پر پہنچے تھے، انھیں ترک کر کے یہ امت زوال پذیر ہوگئی۔ شوقی کہتا ہے ؎

وإنما الأمم أخلاق ما بقيت فإن هم ذهبت أخلاقهم ذهبوا (۲)

قومیں اس وقت تک زندہ رہتی ہیں جب تک ان میں اخلاق موجود ہوں اگر ان کے اخلاق ختم ہو جائیں تو گویا وہ ختم ہوگئیں۔ ذیل میں اخلاقی اعتبار سے امتِ مسلمہ کے زوال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱-مفاخرت وعصبیت:- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأبيض على أسود ولا لأسود على أبيض إلا بالتقوى" (۳) یعنی: نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ ہی عجمی کو عربی پر اور نہ گورے کو کالے پر اور نہ ہی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل ہے مگر تقوی کی بنیاد پر۔

اس فرمان کے ذریعہ آپ ﷺ نے مفاخرت وعصبیت کو اپنے پاؤں تلے روند دیا، کیونکہ جب قوموں کے اندر مفاخرت وعصبیت اور تعصب وقومیت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ آپسی اختلافات کا شکار ہو کر زوال پذیر ہو جاتی ہیں، مگر حیف صد حیف کہ امت محمدیہ عصبیت وقومیت میں اس قدر گرفتار ہوئی کہ اس نے اپنا اسلامی تشخص ہی مٹا دیا، نتیجتاً زوال اس کا مقدر بن گیا۔

۲-افتراق وانتشار:- جو قوم بھی اتحاد واتفاق ختم کر کے اختلاف کا شکار ہوئی وہ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکی بلکہ قعر مذلت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں غرق ہوگئی، یہی حال آج امت مسلمہ کا ہے جو مختلف فرقوں اور جماعتوں میں منقسم ہو کر اختلاف

(۱) سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ (۴۶۸۲) وحسنہ وصححہ الالبانی
(۲) سنن ابن ماجہ: کتاب العلم، باب فضل العلم والحث علی طلب العلم (۲۲۴) ص: ۵۶ وصححہ الالبانی رحمہ اللہ
(۳) مسند احمد بن حنبل (۲۳۴۸۹) ۳۸/۴۷۴، قال شعیب الارنووط: "اسنادہ صحیح"

وانتشار کا شکار ہے جبکہ اسے اتحاد واتفاق کا حکم دیا گیا ہے: واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا"(۱) یعنی: اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔ (جونا گڈھی) اور مخالفت کی صورت میں انجام بھی واضح کر دیا گیا ہے: ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم"(۲) یعنی: آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (جونا گڈھی)

لیکن افسوس! امت مسلمہ نے فرمان الٰہی کو پس پشت ڈال دیا اور اتنی جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہوگئی کہ اب ان کا آپسی اتحاد ایک محال بلکہ ناممکن امر بن چکا ہے اور آپسی بغض وعداوت میں یہ قوم دوسروں سے بہت آگے نکل چکی ہے، نتیجتاً زوال کا شکار ہو کر رہ گئی۔

۳-تقلید پرستی:- جب کوئی قوم کسی کی تقلید پر اتر آتی ہے تو پھر وہ ذہنی طور پر غلام بن جاتی ہے کیونکہ قومی آزادی صرف انہی قوموں کو حاصل ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی جو اپنی تمام تر قومی ومذہبی خصوصیات پر قائم رہتی ہیں لیکن جب وہ ان خصوصیات کو ترک کر کے تقلید کا شکار ہوتی ہیں تو پھر ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے، جیسا کہ آج کا مغرب زدہ مسلمان ہے جو کہ اپنا قومی ومذہبی شناخت کو ختم کر کے مغرب کی تقلید میں اندھا ہو چکا ہے اور زوال کا شکار ہے، انہی خرابیوں سے متنبہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: "من تشبه بقوم فهو منهم"(۳) یعنی: جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔

۴-مادیت اور دنیا پرستی:- آج مسلمانوں پر مادیت اور دنیا پرستی غالب آچکی ہے اور ہر ایک ''شیخ اپنا اپنا دیکھ'' کا عملی تصویر پیش کر رہا ہے، جبکہ سب سے زیادہ اگر کسی چیز سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا ہے تو وہ مادیت اور دنیا پرستی ہے اور اس کی واضح مثال غزوۂ احد ہے جس میں جیتی ہوئی جنگ محض مالِ غنیمت (دولت) حاصل کرنے کی لالچ میں شکست میں بدل گئی، اسی طرح اسلامی تاریخ کی فیصلہ کن جنگ ''بلاط الشہداء'' میں عبدالرحمٰن غافقی کو جو شکست ہوئی اس کا سبب بھی یہی مال غنیمت یعنی: مادیت اور دنیا پرستی تھا۔(۴) یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مال ودولت کو اپنی امت کے لیے فتنہ قرار دیا، فرمایا: "إن لكل أمة فتنة وفتنة أمتي المال"(۵) یعنی: یقیناً ہر امت کے لیے ایک فتنہ تھا اور میری امت کا فتنہ مال ودولت ہے۔

---

(۱) سورہ آل عمران: ۱۰۳

(۲) سنن أبي داود: كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه (۴۶۸۲) ص: ۸۴۶ وحسنہ وصححہ الالبانی رحمہ اللہ

(۳) اسباب زوال امت: ص ۴۲

(۴) مسند احمد بن حنبل: (۲۳۴۸۹) ۳۸/۴۷۴، قال شعیب الارناؤوط رحمہ اللہ: ''اسنادہ صحیح''

(۵) سورۃ آل عمران: ۱۰۳

۵-بغض وعداوت اور کینہ وحسد کی آگ میں جلنا:- یہ منجملہ اسباب زوال امت میں سے ایک سبب ہے، کیونکہ جس قوم اور سماج کے اندر بغض وحسد اور کینہ وکپٹ جیسی مہلک بیماری پیدا ہوجائے تو وہ قوم کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتی بلکہ وہ دن بدن تنزلی ہی کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہی حال آج امت مسلمہ کا ہے جس سے الا ماشاء اللہ کوئی فرد محفوظ ہو جبکہ اسلام میں سختی کے ساتھ اس قبیح وشنیع فعل سے منع کیا گیا ہے، فرمان نبوی ہے:

"لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تقاطعوا وكونوا عباد الله إخوانا" (۱) یعنی ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور نہ ہی دشمنی رکھو اور نہ ہی پیٹھ پھیرو بلکہ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، لیکن اس واضح فرمان کے باوجود امت مسلمہ بغض وحسد میں مبتلا ہوکر ایک دوسرے کے پیر کھینچنے میں لگی ہوئی ہے اور جب کسی قوم کی یہ حالت ہو تو پھر اسے عروج وسربلندی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے؟ جبکہ بغض وحسد ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

چند اور اسباب:- ان اسباب کے علاوہ اور بہت سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ امت زوال پذیر ہوئی مثلاً: گناہوں کو معمولی سمجھنا، مظالم کا رواج، حرام اموال کی کثرت، حقوق العباد کی پامالی، فضول خرچی اور بے حیائی وغیرہ۔

زوال امت کا علاج:- اسباب زوال امت کے واضح ہوجانے کے بعد آیئے اس کا علاج بھی تجویز کریں تاکہ اس مرض سے مکمل طور پر شفا حاصل کیا جاسکے کیونکہ کمال اس وقت ہے جبکہ بیماری کے ساتھ دوا کی بھی تجویز کی جائے اور اس کے لیے ہمیں چند اقدامات اور تدابیر کو اپنانا ہوگا جو درج ذیل ہیں:

(۱) کتاب وسنت کو اپنا لائحہ عمل ودستورِ حیات بنائیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين" (۲) یعنی: اللہ اس کتاب کے ذریعہ بعض قوموں کو سربلندی عطا کرتا ہے اور بعض کو ذلیل ورسوا کرتا ہے۔

(۲) بغض وحسد ترک کرکے ایک دوسرے کا تعاون کریں تاکہ پھر سے یہ امت ترقی کی طرف گامزن ہوجائے۔

(۳) ہمارے پاس اسلامی تعلیمات کا اتنا ذخیرہ موجود ہو کہ اسلام کے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈوں کا برسرِ موقع دفاع کرسکیں۔

(۴) مسلم ممالک سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کریں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے صحیح دفاع ممکن ہوسکے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم التحاسد والتدابر والتباغض: (۶۵۳۰)

(۲) سنن أبي داؤد: کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة (۴۰۳۱) ص: ۷۲۱، وحسنہ وصححہ الالبانی رحمہ اللہ

(۵)دعوت وتبلیغ میں سستی وغفلت سے باز آ کر دعوت کے جدید وسائل کا استعمال کرتے ہوئے اسلام کی صحیح تصویر کشی کی جائے۔

(۶) آپسی اختلافات وانتشار سے حتی المقدور بچیں اور یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدان عمل میں قدم رکھیں۔

(۷)اسلام کی معاشی پالیسی مثلاً ادائیگی زکوۃ، بیت المال کا قیام اور نفلی صدقات وغیرہ کے نفاذ کو عملی جامہ پہنائیں۔

(۸)مادہ پرستی اور دنیا کی ہوس سے بچنے کے لیے آخرت کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں اور قوم وملت کی فکر کرتے ہوئے زندگی گزاریں۔

(۹)دینی تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم میں بھی آگے بڑھیں تاکہ تعلیمی پسماندگی ختم ہو سکے اور ترقی کی راہیں ہموار ہوں۔

(۱۰)ترقی کے صرف بلند وبانگ دعوے کرنے کے بجائے کردار کے غازی بن کر دنیا میں ابھریں اور عملی زندگی میں اپنا قدم رکھیں۔

خلاصہ کلام:

☆زوال امت میں غربت وافلاس کا کوئی عمل دخل نہیں اس لیے کہ اگر غربت وافلاس زوالِ امت کا سبب ہوتی تو صحابہ کرام کو کبھی عروج نہیں ملتا کیونکہ ان کی زندگی اکثر غربت وافلاس میں گزری لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ کامیاب وکامران رہے۔

☆امت مسلمہ جب تک احکام شریعت پر عمل کرتی رہی اوج ثریا پر مقیم رہی لیکن جب اسے پس پشت ڈال دیا تو زوال کا شکار ہوگئی۔

☆یہ امت کئی طرح سے زوال کا شکار ہوئی مثلاً: عقائد کے اعتبار سے، عبادات کے اعتبار سے اور اخلاق وکردار کے اعتبار سے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امت مسلمہ کو کتاب وسنت کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق دے، آمین۔صلی الله علی محمد وعلی آله وصحبه أجمعین.

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

اسلامی بینکنگ کو آر بی آئی کی منظوری:

ریزرو بینک آف انڈیا (آر بی آئی) نے کیرلا حکومت کو اسلامی بینکنگ کے لیے ہری جھنڈی دے دی ہے۔ آر بی آئی سے ملنے کے بعد کیرلا حکومت شیرامن فائنانشیل سروسز لمیٹیڈ (سی ایف ایس ایل) کا آغاز کرے گی۔ یہ فائنانشیل ادارہ کیرلا کے اسٹیٹ انڈسٹیریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے ذریعہ شروع کیا جائے گا۔ اورنان بینکنگ فائنانشیل کمپنی (ان، بی، ایف، سی) کی طرز پر کام کریں گے۔ ذرائع کے مطابق البراکہ فائنانشیل سروسز کے ذیلی ادارہ سی ایف ایس ایل کے تعلق سے جلد ہی اعلان ہوسکتا ہے۔ ریاستی حکومت کو امید ہے کہ اس منظوری کے بعد وہ مذکورہ ادارہ کے ذریعہ تقریبا ۴۰/ ہزار کروڑ تک روپئے خلیجی ممالک سے جمع کر سکتے ہیں۔ یہ ادارہ بنیادی ڈھانچوں، سروسز اور مینوفیکچرنگ سیکٹرس سے فنڈ کرنے پر ترجیح دے گا، جب کہ شراب، تمبا کو اور جوا جیسے کاروبار سے جڑے افراد کے لیے اپنے دروازے بند رکھے گا۔ کیرلا ہی نہیں بلکہ ملک کے کسی بھی حصہ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا فائنانشیل ادارہ ہوگا۔

علاوہ ازیں ریزرو بینک آف انڈیا نے بینکوں کے اندر محدود مصنوعات کے لیے اسلامی ونڈو کھولنے، اور بتدریج اس کو مکمل طور پر شرعی بینکنگ نظام میں ڈھالنے کا مشورہ وتجویز بھی پیش کیا ہے، تاکہ ملک میں شریعت کے مطابق یا سود سے پاک بینکنگ خدمات شروع کی جاسکے۔ (آن لائن نیوز)

غیر مسلموں کے لیے تعارف اسلامی پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا:

حال ہی میں سعودی عرب کے شہر ریاض سے غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت کو پہنچانے کی غرض سے، نیز نومسلموں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس اور واقف کرنے، اسی طرح اسلامی تعلیمات سے نابلد مسلمانوں کو دین کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کروانے کے اغراض ومقاصد کے تحت ماڈرن گائیڈ فاؤنڈیشن ریاض نے عالمی سطح پر ایسے پروجیکٹ کو متعارف کرانے کا بیڑا اٹھایا ہے، جس میں مذکورہ تمام مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے دین اسلام کی دعوت وتعلیم وتبلیغ کا فریضہ بخوبی انجام دیا جاسکے۔ اس پروجیکٹ کا نام ''المسلم الجدید'' (New Muslim) رکھا گیا ہے، چنانچہ اس حوالے سے الکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو لانچ کیا جائے گا، جو بیک وقت دنیا کی ۵۰/ زبانوں پر مشتمل ہوگی۔

یہ کتاب جو درحقیقت ایک انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔ دین اسلام کے تقریبا تمام موضوعات پر کتاب نیز متعلقہ مفید ویب سائٹس بچوں کے لیے آسان زبان میں اور دلچسپ اسلوب میں اسلام کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ اور اسلام سے متعلق میڈیا کے ذریعہ پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا جائے گا، تاکہ اسلام کو اس کی حقیقی شکل میں پیش کیا جاسکے۔

اسلام سے متعلق اکثر کیے جانے والے سوالات کا تشفی بخش جواب دیا جائے گا، نیز قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر کا مطالعہ کرنے کی جانب راغب کیا جائے گا۔

اس عظیم پروجیکٹ کے ڈائریکٹر شیخ خالد الاحمدی نے عالمی سطح پر اہل ذوق اور ارباب علم ودانش سے درخواست کی ہے کہ وہ اس کی تکمیل کے لیے اپنے قیمتی آراء وتجاویز سے نوازیں۔ (صراط مستقیم، برمنگھم) ☆

اخبار جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

جامعہ سلفیہ بنارس میں طلبہ کے اندر علمی ذوق پیدا کرنے، ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور اچھے اخلاق سے مزین کرنے کے لئے ''لجنۃ الثقافۃ'' کا ایک مستقل شعبہ، زیر اشراف ندوۃ الطلبہ قائم ہے۔ جس کے تحت پندرہ دن پر اساتذۂ کرام حفظہم اللہ کی صدارت واشراف میں دینی وعلمی، ادبی وثقافتی، تقریری وتحریری اور فکری پروگرام کا انعقاد عمل میں آتا ہے۔ اور طلبہ محاضرہ وعلمی مذاکرہ، مناظرہ ومباحثہ، ڈرامہ ومکالمہ، برجستہ تقریر وسوال وجواب اور بیت بازی وغیر کی شکل میں علمی مظاہرہ کرتے ہیں، اور طلبہ کی تشجیع وحوصلہ افزائی کی غرض سے اس پروگرام میں حصہ لینے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

سال رواں ''لجنۃ الثقافۃ'' کا تیسرا پروگرام ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء ''قاعۃ المحاضرات'' میں زیر صدارت فضیلۃ الشیخ ابوالقاسم فاروقی حفظہ اللہ منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز ارشد معین (عالم اول) کی تلاوت سے ہوا۔ پھر منیر الحق ضیاء الحق (عالم اول) نے بہترین آواز وانداز میں نعت نبی ﷺ پیش کی۔ اس کے بعد برجستہ تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا جس کے لئے قرعہ اندازی کے ذریعہ درج ذیل پانچ عناوین متعین ہوئے۔

(۱) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ- تعلیمی، تدریسی وتصنیفی خدمات

(۲) شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ- تعلیمی، تدریسی وتصنیفی خدمات

(۳) شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ- تعلیمی، تدریسی وتصنیفی خدمات

(۴) ہجرت نبوی ﷺ

(۵) غزوۂ بدر

اول الذکر تین عناوین مرحلہ فضیلت وکلیہ کے طلبہ کے لئے مختص تھے، جن پر بالترتیب توصیف عالم رئیس الدین (فضیلت ثانی)، جمال الدین نورالاسلام (فضیلت ثانی)، یعقوب علی اشرف الحق (فضیلت ثالث) اور احسان الٰہی احمد مولوی (فضیلت ثانی) نے روشنی ڈالی۔

آخر الذکر دونوں عناوین مرحلہ عالمیت اور ثانویہ کے طلبہ کے لئے مختص تھے جن پر بالترتیب محمد حنیف ابوسعید (عالم اول)، خالد سیف اللہ (عالم اول) اور ساجد کریم (ثانویہ ثانویہ) نے گفتگو کی۔

برجستہ تقاریر کے بعد کشف الرحمٰن عتیق الرحمٰن نے ایک نظم پڑھی۔ اس کے بعد ''یکساں سول کوڈ اور ہندوستانی مسلمان'' کے عنوان پر علمی مذاکرہ اور بحث ومباحثہ ہوا۔ جس کے اینکر عبداللہ زبیر عالم (فضیلت ثالث) تھے اور باحث کے طور پر عبدالالہ رضوان رضوان احمد (فضیلت ثالث)، یاسر اسعد اسعد اعظمی (فضیلت ثالث)، ساجد اختر ریاض الاسلام (فضیلت ثالث)، جمال الدین عبد الخالق (فضیلت ثانی)، عبدالعزیز کتاب اللہ (کلیہ) اور ارشاد الحق ابوالحسن (عالم ثانی) نے شرکت کی۔

اخیر میں انتہائی علمی وفکری صدارتی خطاب پیش کیا گیا جو کہ بڑا ہی پر مغز و پر تاثیر رہا۔ صدارتی خطاب میں صدر مجلس نے پروگرام سے متعلق ہدایات وتنبیہات اور طلبہ کو پند ونصائح کی اور علمی میدان میں سبقت لے جانے کا مشورہ دیا۔ اس پروگرام کی نظامت فیضان کیفی (فضیلت ثانی) نے کی۔☆ (شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ)

باب الفتاوی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی عورت گھر سے بھاگ کر خود اپنا نکاح کرلے تو کیا شرعاً یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

کتاب وسنت کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ میں نکاح کو سکون اور محبت ورحمت کا باعث قرار دیا گیا ہے، اور کہیں "محصنین غیر مسافحین" کہہ کر بدکاری سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے زنا کاری اور بدکاری سے بچنے کے لیے تمام انسانوں کو نکاح جیسے اہم اور پاکیزہ کام سرانجام دینا چاہیے اور اس کے لیے طریقۂ کار ہمارے آخری رسول مکرم جناب محمد ﷺ کے بیان کردہ احکامات سے لینا چاہیے، آپ ﷺ نے نکاح کے جو اصول وضوابط ذکر فرمائے ہیں انھیں اپنانا چاہیے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی بھی عورت، جوان ہو یا بوڑھی، مطلقہ ہو یا متوفی عنہا زوجھا یا بن بیاہی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتی، اگر عورت اپنی مرضی سے گھر سے فرار ہو کر ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیتی ہے تو اس کا نکاح باطل قرار پاتا ہے، عورت کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے، اس کے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾ (البقرۃ: ۲۳۲) ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انھیں ان کے خاوند (سابق شوہر) کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔

محدث کبیر علامہ حافظ ابن حجرؒ اپنی مایہ ناز کتاب (فتح الباری: ۹/۹۴) میں رقمطراز ہیں: "وهي أصرح دليل على اعتبار الولي وإلا لما كان لعضله معنى ولأنها لو كان لها أن تزوج نفسها لم تحتج إلى أخيها ومن كان أمره إليه لا يقال أن غيره منعه منه".

یعنی یہ آیت ولی کے معتبر ہونے پر سب سے زیادہ واضح اور صریح دلیل ہے اور اگر ولی کا اعتبار نہ ہوتا تو اس کو روکنے کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا، اگر اس (معقل بن یسار کی بہن) کے لیے اپنا نکاح خود کرنا جائز ہوتا تو وہ اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی اور اختیار جس کے ہاتھ میں ہو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی نے اس کو روک دیا ہے۔

امام قرطبیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "ففي الآية دليل على أنه لا يجوز النكاح بغير ولي" (فتح الباری: ۹/۹۴) اسی طرح کی بات (المغنی لابن قدامہ: ۷/۳۳۸)، تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۰۲ میں بھی موجود ہے۔

یعنی اس آیت میں یہ بات موجود ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔ دور جاہلیت میں نکاح کے کئی طریقے تھے، ان کی تفصیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: "فنكاح منها نكاح الناس اليوم يخطب الرجل الى الرجل وليته أو ابنته فيتصدقها ثم ينكحها" ترجمہ: ان میں سے ایک نکاح جو آج کل لوگوں میں رائج ہے کہ آدمی دوسرے آدمی کے پاس اس کی زیر ولایت لڑکی یا اس کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجتا، اسے مہر دیتا پھر اس سے نکاح کرلیتا۔

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کی کچھ دوسری صورتیں ذکر کیں جو ولی کی اجازت کے بغیر رائج تھیں، آخر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"فلما بعث محمد ﷺ بالحق هدم نكاح الجاهلية كله إلا نكاح الناس اليوم". (البخاری، کتاب النکاح، باب من قال: لا نکاح الا بولی: ۵۱۲۷) ترجمہ: جب محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام نکاح منہدم کر دیے سوائے اس نکاح کے جو آج کل رائج ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل" (صحیح سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی الولی: ۲۰۸۳) ترجمہ: جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔

وعن أبي موسى الأشعری رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: لا نكاح إلا بولي. (صحیح سنن ابی داود، باب فی الولی: ۲۰۸۵) یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں۔

بغیر ولی کے نکاح نہ ہونے سے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "إن العقد بغير ولي باطل" (مختصر کتاب الأم للامام المزنی: ۱۶۳) ترجمہ: ولی کے بغیر نکاح باطل ہے۔

حضرت امام سفیان ثوریؒ ایسے نکاح کے متعلق فرماتے ہیں: "لا نكاح إلا بولي....." (موسوعۃ فقہ سفیان ثوری، ص ۶۹۳) ترجمہ: ولی کے بغیر نکاح نہیں اور اسی بنا پر عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا نکاح خود کرے اور نہ یہ جائز ہے کہ اپنے نکاح کے لیے اپنے ولی کے علاوہ کسی اور کو متعین کرے اور جب اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکے تو اس کے لیے کسی دوسری عورت کا نکاح کروانا بدرجہ اولی جائز نہیں۔

حضرت امام ابراہیم نخعیؒ جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد الاستاد ہیں فرماتے ہیں: "ليس العقد بيد النساء وإنما العقد بيد الرجال" (محقق مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۴۴/۳)

حضرت علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ ایسے نکاح کے متعلق فرماتے ہیں: "والحق أن النكاح بغير الولی باطل كما يدل عليه أحاديث الباب" (عون المعبود: ۱۹۱/۲) ترجمہ: حق بات یہی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح باطل ہے جیسا کہ اس پر احادیث دلالت کرتی ہیں۔

حضرت علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی: ۲۴۱/۴)

امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے، یعنی ولی کے بغیر نکاح درست نہیں۔ (بدایۃ المجتہد: ۷/۲)

علامہ ابن قدامہؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا۔ (المغنی لابن قدامہ: ۳۴۵/۹)

علامہ ابن تیمیہ (الاختیارات الفقہیہ ص ۳۵۰)، شیخ صالح منجد، شیخ محمد آل شیخ (فتاوی نکاح وطلاق ص ۸۴) وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ بغیر ولی کی اجازت کے نکاح درست نہیں ہوگا۔

اوپر مذکور تمام دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب وسنت اور جمہور ائمہ ومحدثین کے نزدیک عورت کا نکاح ولی کے بغیر صحیح اور درست نہیں ہو سکتا، جو عورت اپنا نکاح خود کر لیتی ہے اس کا نکاح باطل ہے، اور اس کا نکاح فسخ کرایا جائے یعنی میاں بیوی کے درمیان جدائی کرادی جائے گی تاکہ ناجائز وحرام کام کا ارتکاب نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دار الإفتاء
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس